دانش اور انسان

اسلام ایک فلسفہ ہے

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

Institute of Islamic Culture
ادارہ ثقافت اسلامیہ
Lahore - Pakistan

Marfat.com

Marfat.com

دانش اور انسان

اسلام ایک فلسفہ ہے

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

DATA ENTERED

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲- کلب روڈ، لاہور
فون:042-36363127,36305920، ای میل:iic-lhr@hotmail.com

Marfat.com

297.01
121449

جملہ حقوق محفوظ ہیں

عنوان: دانش اور انسان
(اسلام ایک فلسفہ ہے)

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

اشاعت اول: 2015ء

ناشر: قاضی جاوید
ناظم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

مطبع: وقاص جاوید پرنٹرز لاہور

تعداد: 500

قیمت: 250 روپے

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور حکومتِ پنجاب کے محکمہ اطلاعات وثقافت کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

Marfat.com

انتساب

اُن نوجوانوں کے نام

جو عقل و سائنس کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر
قرآنی فکر کی نتیجہ خیزی کا باعث بنیں گے

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

مقدمہ	۹
حصہ اوّل: قرآنِ حکیم کی فلسفیانہ جہت	۱۳
دانش اور انسان	۱۳
مسائل پر غور و فکر کا درجہ اوّل	۱۹
مسائل پر غور و فکر کا درجہ دوم	۱۹
مسائل پر غور و فکر کا درجہ سوم	۱۹
مسائل پر غور و فکر کا درجہ چہارم	۲۰
فلسفہ کا استعمال:	۲۰
لسانی اصطلاحی تنظیم	۲۰
شخصی دانش کی فکری تنظیم	۲۳
اسلامی فکر کی اجتماعی و شرعی تنظیم	۲۶
الف: فلسفہ عقائد	۲۶
ب: فلسفہ ارکانیات وعبادات	۲۷
ج: فلسفہ فکریات	۲۸
د: فلسفہ معاملات	۲۸
امام غزالیؒ، فلسفہ اسلام اور ابن رُشد	۳۰
فلسفہ، علوم قرآنی و علوم انسانی کی عقلی و استدلالی تنظیم	۳۵
فلسفہ مفاسد اسلام میں ہے کیا؟	۳۸
اسلام ایک فلسفہ ہے	۴۵
علامہ اقبال کا فلسفہ اسلام	۴۷
فلسفہ کی جدید مسلم روایت	۴۹
حصہ دوم: اسلام ایک فلسفہ ہے	۵۳
یونانی فلسفہ	۵۴
فلسفہ، عقل کا نتیجہ فکر	۵۷
قرآن کا معنی و مفہوم	۵۹
فلسفہ کے بارے میں محمد رفیع الدین کا نقطہ نظر	۶۳

Marfat.com

	عقل و وجدان	۶۵
	فلسفہ کی تاریخ ... ابتدائی	۶۷
	فلسفہ کی مسلم تاریخ ۔ وسطی دور	۷۰
	فلسفہ ۔ علمی منہاج اور دائرہ کار	۸۳
	فلسفہ کے اہم مکاتبِ فکر	۸۵
	موضوعات فلسفہ	۸۷
	فلسفیانہ تحقیق کے چار بڑے مسائل	۹۰
	قرآنی موضوعاتِ فلسفہ اور ان کا دائرہ کار	۹۱
	فلسفہ اور مطالعہ قرآن ۔ محمد رفیع الدین کا نقطہ نظر	۹۵
	حکمت اور فلسفہ	۱۰۹
	نبوت اور فلسفہ	۱۱۰
حصہ سوم :	دانش اور انسان	۱۲۵
	عقلی تحقیق میں فلسفہ کے ضابطے	۱۳۰
	راسخ الاعتقادی	۱۳۰
	لاآدریت	۱۳۰
	تنقید	۱۳۱
	منطقی استدلال	۱۳۱
	علم ۔ فلسفہ و سائنس کی رو سے :	۱۳۲
	تجربیت	۱۳۳
	عقلیت	۱۳۳
	وجدانیت	۱۳۳
	اراکین علم :	۱۳۴
	جوہر، علت، مکاں اور زماں	۱۳۵
	فلسفہ کا میدان تحقیق اور دائرہ علم	۱۳۶
	فلسفہ کائنات	۱۳۶
	فلسفہ نفسیات	۱۴۲
	فلسفہ خدا	۱۴۶
	منطق	۱۵۰

Marfat.com

مقدمہ

موجودہ دور عقلی اور سائنسی ہے۔قرآن حکیم اور کائنات کو جاننے اور سمجھنے کا یہ انسانی طریقہ ہے۔ انسانی طریقے انسان کے شعور کے ارتقاء کے ساتھ بدلتے رہے ہیں۔ فلسفہ و سائنس جب انسانی سمجھ کے عضویات و آلہ جات سے منسلک ہیں تو پھر ہم نے انہیں قرآن حکیم اور اسلام کے مقابل کیوں لا کھڑا کیا ہے؟ یہی مسئلہ اس تحریر میں زیر بحث ہے۔

قرآن حکیم سے ہدایت ہر دور کے مسلمان علماء، فقہاء اور حکماء نے حاصل کی۔ قرآن حکیم اور احادیث پاک سے اخذ و استنباط کے ذریعہ زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے قوانین اور احکام مرتب کیے گئے جو بالآخر فقہ کا نام پا کر شریعت مطہرہ بنے۔ تدوین حدیث اور تدوین فقہ اول و آخر انسانی عقل و مساعی کے بل بوتے پر مدون ہوئے۔ اعلیٰ تدوین کے لئے عقل کے علاوہ تجربات کی بھی نئی تکنیک استعمال ہوئی۔ عقلی و سائنسی نمونے کا یہ بڑا کام تھا۔

ماٰخذ قرآن حکیم تھا یا آپ ﷺ کی ذات اقدس اور فرمودات۔ وہ تو آج بھی اسی طرح ہیں۔ مسلمان بطور ایمان و عقیدہ کے قرآن حکیم اور آپ ﷺ کی ذات پاک سے فیض حاصل کرتے ہیں مگر دنیا کے کسی شخص، فلسفی یا سائنس دان پر ان سے روشنی حاصل کرنے پر پابندی نہیں ہے۔ فلسفہ و سائنس آسمانی علم نہیں ہے یہ آسمانی علم کے موتی چننے کے طریقے ہیں قرآن حکیم بلاشک وشبہ صحیفہ آسمانی ہے جو خاتم النبیین ﷺ پر اُترا۔ آسمانِ علم سے میدانِ دنیا میں لانے کے لئے انسان نے اس علم کا نام فلسفہ بھی رکھا ہے اور سائنس بھی اور کئی اور جہتیں بھی تلاش کی ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

مسلمانوں نے ایک دور میں عقل و فلسفہ اور حس و سائنس کے تجربات کیے تو اخذ

Marfat.com

واستنباط کے ذخیرے کو شریعت اور اسلام کہا ہے۔ شریعت یا اسلام کی بات سے ہمیشہ دو باتیں سامنے آتی ہیں اور ان کی وضاحت کا کوئی واضح طریقہ نہیں رہا ہے، شریعت یا اسلام سے مراد یوں رہی:

الف۔ آپ ﷺ وقرآن حکیم (مآخذ)

ب۔ شریعت یا اسلام کے نام پر اخذ شدہ احکام وقوانین (اخذ شدہ)

یعنی مآخذ اور اخذ شدہ یہ دو بالکل الگ مفہوم ہیں حالانکہ ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔ مآخذ بدلتا نہیں اور اخذ کرنے کا انداز بدلتا رہتا ہے۔ مآخذ آج بھی اپنی جگہ موجود ہے یہ امتیاز پہلے ختم ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ البتہ اس سے اخذ کرنے کے طریقے پہلے بھی بدلتے رہے ہیں اور آئندہ بھی بدلتے رہیں گے۔ فلسفہ کا طریقہ تو ابتدائے اسلام سے ہی آزمایا گیا اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ عصر حاضر میں سائنسی طریقے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ان سطور میں مدعا یہ ہے کہ اسلامی ادب میں فلسفہ کو قرآن واسلام سے الگ سمجھ کر غلط فہماں پیدا کی گئیں جس سے انسان کی عقلی صلاحیت پر عدم اعتماد کا رجحان پیدا ہوا۔ عقلی رجحان پر عدم اعتماد کا مطلب یہ ہوا کہ انسان پر عدم اعتماد کیا گیا حالانکہ قرآن حکیم اور آپ ﷺ کا نبی آخر ہونے کا اعلان انسان پر اعتماد کرنے کا الٰہی اعلان ہے۔

اگر اس سوال کا جواب نہ دوں تو تشنگی رہے گی کہ فلسفہ پر لکھنے کا سبب کیا بنا اور فلسفہ میرا موضوع ومضمون کیسے ٹھہرا ہے۔ پہلے سوال کا جواب اوپر بھی موجود ہے اور پوری کتاب میں جا بجا سامنے آئے گا۔ دوسرا سوال جواب مانگتا ہے۔ اگر آپ نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ” کا نام سُنا ہے تو پھر موضوع ومضمون کا جواب مل جائے گا۔ وہ شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں جز وقتی اُستاد تھے جب احقر نے شاگردی اختیار کی۔ وہ فلسفہ وسماجی علوم کے استاد تھے۔ پہلے لیکچر میں ہی احقر کو گھائل کیا اور ہم نے اس مضمون وموضوع کو زندگی بھر حرز جان بنائے رکھا۔

برہان احمد فاروقی ” نے علی گڑھ میں ڈاکٹر ظفر الحسن اور پھر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے

Marfat.com

زیر سایہ ڈاکٹریٹ کی۔ ان کے توسط سے ہی احقر علامہ اقبال کی طرف راغب ہوا اور ہو کر رہ گیا۔ علامہ سے ذرا پیچھے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی (ڈاکٹر برہان احمد فاروقیؒ کا پی ایچ ڈی کا مقالہ مجدد الف ثانی کے حوالے سے تھا) کو پڑھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہم عصر اور اقبالی حضرات میں نمایاں شخصیت ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو اپنے ادارے (گورنمنٹ کالج میر پور کی جو ڈاکٹر صاحب کے دور میں سری کرن سنگھ کالج کے نام سے تھا۔ بعد میں تبدیل ہوا) سے ڈھونڈا اور ایک عُمر ان کے اقبالی فلسفے کا مطالعہ کیا اور اور احقر کی ڈاکٹریٹ کا وہی خصوصی حوالہ ٹھہرے اور آخر میں بیک وقت عالم و حکیم ڈاکٹر محمود احمد غازی کی علمیت سے استفادے کا موقع ملا۔ یقیناً یہ علمی نسب اوپر کے سوال کا کافی جواب ہوگا۔

موجودہ سطور میں کتاب کا پہلا حصہ قدرے علمی مباحث پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصہ میں تحقیقی انداز برقرار رکھا گیا ہے۔ تیسرا حصہ عقلی فکر کا موجودہ حاصل ہے۔ تینوں حصوں کی تحریر میں وقفہ آتا رہا اور مطالعہ بھی جاری رہا۔ وقفہ اور جاری مطالعہ مختلف حصوں میں ربط کو کمزور کرتے ہیں اور ہر حصہ آزادانہ افکار کی طرف کسی قدر چلا جاتا ہے بہرحال جو کچھ ہے آپ کے ہاتھوں میں ہے جہاں کہیں کوتاہی نظر آئے تو اصلاح کا طالب رہوں گا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

Marfat.com

Marfat.com

حصہ اوّل

قرآنِ حکیم کی فلسفیانہ جہت

سورۃ یٰسین میں خدا فرماتا ہے:

''ہماری ایک اور نشانی رات ہے۔ ہم دن کو ہٹا دیتے ہیں تو انسانوں پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج اپنی منزل کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ زبردست علم رکھنے والے خدا کا باندھا ہوا حساب (نظام) ہے۔ اور ہم نے چاند کے لئے بھی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔'' (۳۶ : ۳۷)

اس آیت میں تنظیم علم کی بات کی گئی ہے۔ کائنات کے نظم وضبط کی ابدی حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ انسان اپنی سوچ کی سطح پر انسانوں کی زندگی کو ایک تنظیم دینے کی کوشش میں جدوجہد کر رہا ہے۔ یہی کوشش ارتقاء پذیر ہو کر بالآخر کامیاب ہوگی۔ سورۃ الروم ۳۰ : آیات ۴۹-۴۶ میں انسانوں کی طرف خدا کی بشارت کا بیان ہے۔

دانش اور انسان:

آیت بالا میں طبیعی و مابعدالطبیعی دنیا کا باقاعدہ تذکرہ ہے۔ چاند و سورج، دن و رات کائنات کی حرکت میں بنیادی اکائیاں ہیں۔ یہ روشنی کیوں ہے۔ یہ اندھیرا کیسے چھا جاتا

Marfat.com

ہے؟ چاند کی منزلیں کیا ہیں؟ سورج کی منزل کیا ہے؟ بتایا یہ سب ایک مربوط اور پختہ نظام ہے۔ یہ اور اس طرح کے سوالات کس کے لئے اور کیوں قائم کیے گے؟ یہ دعوت کس کو ہے؟ یہ چیلنج کیسے دیا جارہا ہے اور کیوں دیا جارہا ہے؟ قرآن حکیم اور تمام سابقہ صحیفہ جات میں مخاطب انسان ہے۔ فرمایا یہ میں نے انسان کو اپنی طرز پر بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ طرز سے مراد صلاحیتِ تخلیقی کا ہونا ہے اور روح سے مراد دانش واستعداد ہے۔ انسان ہی کائنات کی ایسی ہستی ہے جو دانش رکھتی ہے۔ شعور ودیعت کہا گیا ہے۔ کائنات کے طبیعی وغیر طبیعی میدان دراصل دانش اور انسان کی آزمائش گاہیں ہیں۔

اسلام ایک فلسفہ ہے:

اسلام علم کی ایک مخصوص ہیت و جہت کا نام ہے۔ یہ دو پہلوؤں سے آگے بڑھ کر اپنی ہیت و جہت کو نمایاں کرتا ہے:

ا۔ الوہی اساس پر مسلسل زور یعنی فکر کی مذہبی اساس۔

ب۔ انسانی استعداد کی ترقی پر مسلسل زور یعنی فکر کی عقلی اساس۔

فلسفہ ایک قطعی علمی اصطلاح ہے۔ فلسفہ علم کا علمبردار نہیں ہے۔ بلکہ فلسفہ تنظیم علم کا نام ہے۔ اس طرح فلسفہ کی علمی اصطلاح کے استعمال کی بھی دو جہتیں ہیں:

ا) قرآن حکیم ایک الوہی فلسفہ ہے۔

ب) انسانی استعداد سے حاصل علم ایک فلسفہ ہے۔

اسلامی تاریخ میں فلسفہ کو اسلام سے ٹکرا دیا گیا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب یونانی کتب فلسفہ کے تراجم عربی میں ہوکر عرب دنیا میں سامنے آئے تو اسے الوہی فلسفہ یعنی قرآن حکیم کے متوازی تصور کیا جانے لگا۔ حالانکہ یہ ترجمہ کا عمل مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہی سرانجام پا رہا تھا۔ یوں مسلم دنیا میں دو مکاتب فکر نے جنم لیا:

۱) وہ مسلم علماء جنہوں نے ذاتی عقل و دانش کی استعداد سے حاصل علم و تنظیم کو قرآن حکیم سے غیر اور متوازی جانا۔ بے شک اسکی اوّل و آخر اساس اسلام ہو۔

Marfat.com

۲) وہ مسلم حکماء جنہوں نے ذاتی عقل و دانش کی استعداد کو قرآن حکیم کے علم کی انسانی فہم کے لئے تنظیم کی کوشش کی۔

حکماء کم تھے، علماء زیادہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفہ کو علم جان کر اسلام سے غیر و متوازی جان کر مسترد کر دیا گیا۔ اس کے متبادل انسانی عقل و دانش کی استعداد کو ''علم الکلام'' کی اصطلاح کے تحت بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی ''علم الکلام'' کے تحت بعض اسلامی عقائد کو انسانی عقل و دانش کا جامہ پہنایا جاتا رہا ہے۔ مگر یہ محض مسلمانوں کی تسلی کے لئے تھا۔ ''علم الکلام'' اسلام کا کوئی مجموعی نظریہ تشکیل نہیں دیتا۔ اس کے برعکس فلسفہ ایک مکمل علمی انتظام کا بندوبست کرتا ہے۔

فلسفہ جب علم کی تنظیم کرتا ہے۔ تو وہ کوئی ایسا علم نہیں ہوتا جو کسی قوم سے غیر ہوتا ہے۔ فلسفہ جب مسلم دنیا میں علمی تنظیم قائم کرتا ہے۔ تو وہ اوّل و آخر قرآن حکیم، حدیث اور تمدن مسلم کو بنیاد بناتا ہے۔ مسلم دنیا میں اسلامی اساس پر جو فلسفی علمی تنظیم کا کام کرے گا۔ وہ اوّل و آخر مسلمان ہوگا۔ اُدھار پر لیا گیا فلسفی یا فلسفہ دونوں وہ تنظیم علمی قائم نہیں کر سکیں گے۔ جو فلسفہ کی پہچان ہے۔

مسلم فلسفہ قرآن حکیم و حدیث پاک کی تمدنی تنظیم ہوگی۔ فلسفہ کی یہ تنظیم اُس تمدن سے جنم لینے والا کوئی حکیم یا حکیموں کا گروہ ہی قائم کرے گا۔ یاد رہے کہ میرے نزدیک علماء کا کام ایک اچھے اُستاد کا ہے۔ جو اپنی روایت کو پڑھاتا ہے اور سکھاتا ہے۔ مگر اس پڑھانے اور سکھانے کے نتائج کو ایک حکیم منضبط کرتا ہے اور دوسروں کے لئے فائدہ مند بناتا ہے۔ تجربہ و مشاہدہ کی یہ تنظیم اور اسے فائدہ مند بنانے کا عمل دراصل فلسفہ ہی کہلاتا ہے۔ فلسفہ ہر حال میں انسانی مسائل پر غور و فکر کر کے انہیں منظم و منضبط انداز میں قابل عمل بناتا ہے۔ نتائج دیتا ہے۔ جہاں تک مسائل کا تعلق ہے اُن کی نوعیت میں گہرا فرق نہیں ہے:

ا) اسلام کے مسائل غور و فکر کیا ہیں؟

ب) علم کے مسائل غور و فکر کیا ہیں؟

Marfat.com

ج) فلسفہ کے مسائل غور وفکر کیا ہیں؟

د) سائنس کے مسائل غور وفکر کیا ہیں؟

جو مسائل علم، فلسفہ اور سائنس کے ہیں وہ انسانی مسائل ہیں اور اسلام تمام انسانی مسائل کو حل کرنے کی کلید دیتا ہے۔ تمام علمی مسائل کا منبع ہر دور میں انبیاء کرام کی ذات رہی ہے۔

ہر معلومات کو علم بننا ہے۔ ہر علمی فکر کو فلسفہ بننا ہے اور ہر سائنس کے تجربہ ومشاہدہ کو بالآخر فلسفہ بننا ہے۔ یہ مسائل ایسے ہیں جو حیات وکائنات سے متعلق ہیں۔ یہ کبھی نہ الگ ہوئے نہ ہوں گے۔

اسلام، علم، فلسفہ اور سائنس چار اصطلاحیں ہیں جن کے تحت بنیادی مسائل پر موقف متعین کیا جاتا ہے۔ علم کی اصطلاح بنیادی طور پر ان تینوں کی آمیزش سے تیار ہوتی ہے۔ لیکن وہ بنیادی سوالات جو ان چار اصطلاحوں کے تحت جزوی یا کلی پیش نظر ہیں۔

علامہ اقبال کے معروف خطبات کا آغاز ہی یوں ہوتا ہے:

> ''یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں۔ اس کی نوعیت کیا ہے اور ترکیب کیا؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے؟ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے باعتبار اس مقام کے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب، فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں۔'' (۱)

گویا یہ چار سوال ہیں جن کا جواب اقبال تلاش کرتے ہیں۔ اس تلاش میں گو وہ قرآن وسنت کو ہر دم مدِنظر رکھتے ہیں مگر علم کے ہر میدان میں گھومتے ہیں اور انسان کو آگے بڑھانے والے علم کو چنتے ہیں اور مسلمانوں کو اُس سے آگاہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ان مسائل کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں:

> ''مسائل یہ ہیں کہ وہ سب کچھ جو مجھے گھیرے ہوئے ہے جس سے میں

Marfat.com

دو چار ہوں، کیا ہے؟ یعنی یہ کائنات کیا ہے اس میں میری جگہ کیا ہے؟ اس کائنات میں میرے مقام و منصب کے اعتبار سے کیا اعمال سزاوار ہیں؟ کیا یہ عالم مشہودات مادی کا ایک مجموعہ ہے؟ اس عالم میں جو حرکت پائی جاتی ہے اس کا کوئی رخ اور سمت ہے یا نہیں؟ یہ علم بے سروپا اجزائے لا یتجزای کا محض ایک وحشیانہ رقص ہے، یا بے شعور زندگی کا ایک اندھا تقاضا ہے؟ اور مزید یہ کہ میں کسی حادثے کی پیداوار ہوں یا صرف ایک بھڑکتا ہوا شعلہ اور متغیر بہ تسلسل ہوں؟ یعنی کیا میں ہستی محض سے فنائے کامل کی جانب ایک تغیر محض یا کوئی بہتر شے اور ایک ایسا وجود ہوں جو کوئی فضیلت رکھتا ہو اور ایک ایسی ہستی، جس کا اپنا کوئی مستقل وجود ہو اور جس کا اس نظام محسوس میں کوئی وقار ہو؟'' (۲)

ڈاکٹر صاحب ان سطور میں حضرت انسان کا مقام و مرتبہ تلاش کرتے ہیں اور اُس کی حیثیت کے متلاشی ہیں۔

اب یہ وہ مسائل ہیں کہ: اسلام ان کی الوہی سمت سے غور و فکر پر زور دیتا ہے۔ علم الوہی اور انسانی تجربہ و مشاہدہ کو الگ کیے بغیر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ فلسفہ، ماقبل اسلام حاصل علم اور بعد از اسلام علم کے حاصل کو عقل کی کسوٹی سے پرکھتے ہوئے عمل کے لئے تنظیم اور نتائج کی کوشش کرتا ہے۔ سائنس انسانی تجربات و مشاہدات سے اسی گتھی کو حل کرنے کی تدبیر کا نام ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے نزدیک غور و فکر کا داعیہ یا جذبہ تب پیدا ہوتا ہے:

جب انسان اس کائنات کے بالمقابل کھڑا ہو کر اس کے بارے میں رائے قائم کرتا ہے اور اس کی یہ رائے اس کی فطرت کے تقاضوں سے سازگار اور ہم آہنگ نہیں ہوتی تو ناسازگاری کا احساس اس کے ذہن پر ایک بوجھ بن جاتا ہے اور اسے دل کے لئے بے اطمینانی کا

Marfat.com

باعث بنتا ہے۔اس لئے وہ اس بوجھ اور بے اطمینانی کو دور کرنا چاہتا ہے۔

''بوجھ اور بے اطمینانی دور کرنا انسانی فطرت کی تسلّی کے لئے ضروری ہے۔ یہ تسلّی انسانی شعور و آگاہی کے درجات سے منسلک ہے۔'' (۳)

☆ ایک درجہ ایسا ہے کہ انسان ان مسائل کے سادہ مذہبی جواب پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

☆ ایک درجہ ایسا ہے کہ الوہی جواب کو عام علمی میدان میں زیرِ بحث لاکر غور وفکر کرتا ہے۔

☆ ایک درجہ ایسا ہے کہ انسان الوہی اور علمی جواب کو حکیمانہ سطح پر غور وفکر کرتا ہے۔

لیکن اسلام یا مذہب ان درجوں پر کہیں بھی نظر انداز نہیں ہوتا۔غور وفکر کی ابتدائی لہریں اسلام یا مذہب سے بلند ہوتی ہیں۔ یہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ لہریں ہوتی ہیں۔ یہ انسان کی شان ہے کہ وہ سوچ و سمجھ اور ارادہ سے آگے بڑھنا چاہتا ہے ......وہ کچھ کرنا چاہتا ہے جو اُسے کرنا چاہیے ......وہ، وہ کچھ بننا چاہتا ہے جو اُسے بننا چاہیے ......اُسے وہ کچھ کرنا چاہیے اور بننا چاہیے جو اس عالم کی حقیقت اور خود اس کی اپنی حقیقت کے لحاظ سے ضروری ہو۔آگے بڑھنے کے لئے آرزو شرط ہے۔آرزو کا تعلق صرف انسان سے ہے۔ رازِ حقیقت کیا ہے؟ انسان ہی اُس کی آرزوؤں کا امین ہے۔ یہ آرزو، یہ داعیہ، یہ اُمنگ دراصل انسانی فطرت کی آگے بڑھنے کی پکار ہے۔ یہ پکار چونکہ صرف اور صرف انسان سے وابستہ ہے، اس لئے یہ ابتدائے انسان سے عصر حاضر کے انسان تک آگے بڑھی ہے۔انسان اپنے کیے پر مطمئن ضرور نظر آتا ہے مگر ابھی چونکہ بہت کرنا باقی ہے اس لئے یہ مسائل انسان کے ذہن پر بدستور بوجھ ہیں اور وہ انہیں ڈھونڈنے کے درپے ہے ایک درجہ ایسا ہے کہ انسان حواس کو بنیاد بنا کر مجرد تجربات و مشاہدات سے حاصل جوابات سے مطمئن ہوتا ہے۔مسائل پر غور وفکر کر کے تا حال چار سطحوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان چاروں ادوار میں:

۱۔ مذہب غور وفکر کی بنیادی لہر ہے۔

۲۔ فلسفہ مسئلہ کو حل کرنے کا دوسرا باقاعدہ نظم ہے۔

Marfat.com

۳۔ سائنسی اندازِ فکر مسائل کا حل کرنے کا تیسرا کلیہ ہے۔

۴۔ علم غور و فکر کا چوتھا محرک ہے۔

مسائل پر غور و فکر کا درجہ اوّل:

ایران ایک قدیم قوم ہے اور اسلام قبول کرنے سے قبل بھی ایک مضبوط فکر اور تمدن کی مالک قوم تھی۔ زرتشت مذہب کے اثرات اُن پر نمایاں تھے اُن کا فلسفیانہ غور و فکر کا محرک یہ تھا کہ بنیادی خیر اور بنیادی شر کو تصور کائنات کی علت شمار کی جائے تو حقیقتِ کائنات کی ایک مربوط شکل دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے ایرانی قوم کے ذہن پر جس خلش نے جنم لیا اُس خلش کے خاتمے کے لئے یعنی حقیقتِ کائنات کے ایک مربوط تصور کی تشکیل اُن کی جدوجہد ٹھہری۔

مسائل پر غور و فکر کا درجہ دوم:

محض عقلی بنیادوں پر غور و فکر کا تعلق یونان سے جوڑا جاتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ فلسفہ کی اصطلاح نے بھی یونان میں جنم لیا۔ فلسفہ کی مزید اصطلاحیں بھی وہیں وضع ہوئیں۔ مسائل پر غور و فکر اور نئے معیار اور پیمانے بھی ایجاد ہوئے۔ سقراط، ارسطو اور افلاطون کا تعلق یونان سے تھا۔ فلسفہ اگر آج علمی اصطلاح ہے تو اس کے موجد اہل یونان ہیں۔ اہل یونان کے ذہن پر بھاری بوجھ محسوسات (حسی علم) اور معقولات (عقلی علم) میں تفاوت و ناسازگاری تھا۔ افلاطون اور ارسطو کی فکر اس تفاوت و ناسازگاری کو دور کرنے کی فکر تھی۔ لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ان دونوں کی فکر مذہب بےزار تھی۔

مسائل پر غور و فکر کا درجہ سوم:

مسیحی دنیا کا معاملہ عقیدہ اور علم میں تضاد و تفاوت کا تصور تھا جسے وہ رفع کرنا چاہتے تھے۔ مذہبی و اخلاقی تقاضوں اور عمرانی ثقافتی مطالبات میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے فلسفیانہ غور و فکر اُن کی جدوجہد کے لئے ایک نصب العین بنا اور پھر انہوں نے حسی اندازِ علم کو

Marfat.com

ترقی و تنظیم دے کر اُسے سائنس کا نام دیا اور دنیا بدل دی۔

مسائل پر غور و فکر کا درجہ چہارم:

مسائل پر غور و فکر کا چوتھا محرک علم و معلومات ہیں۔ معلومات کون دیتا ہے؟ اور کون لیتا ہے؟ انسان بنیادی آلہ ہے جو معلومات لیتا ہے۔ پھر غور و فکر کرتا ہے اور اجتماعی انسانیت کے لئے تنظیم علم مرتب کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ مذہب سے غور و فکر کے اساسی نکات اٹھاتا ہے۔ اپنی حس اور عقل کو بروئے کار لاتا ہے اور ایک منظم معلومات کو سامنے لا کر اجتماعی انسانیت کے لئے مفید بناتا ہے۔

فلسفہ کا استعمال:

فلسفہ کے استعمال کو تین حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ لسانی اصطلاحی تنظیم
۲۔ شخصی دانش کی فکری تنظیم
۳۔ اسلامی فکر کی اجتماعی و شرعی تنظیم

۱۔ لسانی اصطلاحی تنظیم:

معروف حکیم و فلسفی ابن رشد نے استدلالی اور انسانی درجہ بندی دونوں باتوں کو بیان کیا ہے ابن رُشد لکھتا ہے:

''انسانی آلات (منطق، عقل، فلسفہ اور برہان) بالذات اور بالطبع نفع بخش ہیں۔ ان کے استعمال میں لانے والے میں نقص ممکن ہے۔''(۴)

انسانی جبلت و طبیعت کے لحاظ سے انسان موجودات اور اعتبار موجودات کی تصدیق مختلف انداز سے کرتا ہے۔ لکھا ہے:

☆ بعض لوگ برہان سے تصدیق حاصل کرتے ہیں۔
☆ بعض لوگ جدلی اقوال سے تصدیق حاصل کرتے ہیں۔

Marfat.com

☆ بعض لوگ خطابی اقوال سے تصدیق حاصل کرتے ہیں (۵)

اگر یہ کہا جائے کہ عصر جدید استدلالی و برہانی دور ہے تو بے جانہ ہوگا۔ تاریخ میں انسانی آگاہی و شعور اور تصدیق و عمل کے بھی تین ادوار ہیں:

☆ پتھر کا دور، جہاں انسانی ذہن ابتدائی درجے پر تھا۔

☆ وسطی دور، یہ صحیفہ جات اور روایات کا دور ہے۔

☆ دور جدید، یہ تجربی و مشاہداتی اور استدلالی و برہانی دور ہے۔

جب کہ جدید مغربی منطقیوں کے نزدیک علت میں تحقیق کا تسلسل تین مدارج سے وابستہ ہے:

(۱) عوامی منزل Populer stage

(۲) علمی منزل Scientific Stage

(۳) فکری منزل Speculation Stage

یونانی، مسلم اور عصر حاضر کے فلسفیوں اور منطق دانوں کی ایک ارتقائی تاریخ ہے اور تینوں ادوار کے نمائیدگاں کی گراں قدر خدمات ہیں۔ یونانی حکیم ارسطو کو اس علم کا موجد قرار دیا جاتا ہے اور یہ بھی قرار دیا جاتا ہے کہ منطق کے لئے الفاظ بھی ضروری ہیں۔ الفاظ جو طاقت و توانائی کے ساتھ ایک مفہوم رکھتے ہوں ۔ براہ راست اور سیدھے انداز سے اپنی معنویت کو اجاگر کریں اور جامعیت ان کا وصف ہو۔ دو معنی و مبہم الفاظ کی منطق کے علم میں گنجائش نہیں ہے۔ اس کے ساتھ گرائمر یا صرف ونحو کے معیار پر پورے اترنے والے الفاظ ہی منطق کے علم کا حصہ متصور ہو سکتے ہیں ۔ مختصراً منطق ان اصولوں اور قوانین کا علم ہے جن کی مطابقت و متابعت کے بغیر فکر انسانی صحیح نہیں ہو سکتی۔ منطق دراصل فکر کے ڈھانچہ اور صورت کی صحیح تدوین کرتی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے منطق کی اقسام کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ منطق کی دو معروف اقسام ہیں (۱) منطق استقرائیہ (Inductive logic) اور (۲) منطق استخراجیہ

Marfat.com

(Deductive Logic)۔ منطق استقرائیہ وہ طریقہ استدلال ہے جس میں جزوی حقائق سے کلیہ قضیہ اخذ کیا جاتا ہے۔ الگ الگ واقعات و مثالوں یعنی جزیات سے ایک مسلمہ کلیہ اخذ کرنا ہوتا ہے مقدمات اور نتائج کی مادی صحت کی جانچ پڑتال کرتی ہے۔ منطق استقرائیہ کائنات اور مظاہر فطرت کے مطالعہ سے بھی قوانین کلیہ اخذ کرتی ہے۔ خاص سے عام یا جزیات سے کلیات کا استدلال ہے۔

دوسری طرف منطق استخراجیہ مقدمات نتائج کی مادی صحت سے بحث نہیں کرتی۔ اس کا بنیادی قانون یہ ہے کہ جو حکم پوری جماعت سے متعلق صحیح ہے وہ حکم اس جماعت کے سب افراد کے لیے بھی حق ہوگا جیسے تمام انسان فانی ہیں عام سے خاص یا کلیات سے جزیات کا استدلال ہے۔

منطق میں استعمال ہونے والے الفاظ و اصطلاحیں جو اردو میں منتقل ہوئی ہیں کا ایک مثالی خاکہ بیان کرنا مقصد ہے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ان الفاظ و اصطلاحوں کو اپنے قرآنی واستدلالی پس منظر میں بیان کیا ہے اور اس میدان تحقیق وفکر اور علمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

منطق گویا الفاظ و اصطلاحوں کے استعمال سے علم کو ایک باقاعدہ تنظیم دیتی ہے اور علم کا ایک معیار مقرر کرتی ہے۔ زیر نظر سطور میں چند الفاظ اور اصطلاحوں کو اردو میں بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ان الفاظ و اصطلاحوں کو قرآنی فکر کی استدلالی تنظیم دی اور یوں بڑے حکماء کی طرح ''وقت'' کے مسائل کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت دی ہے۔

لسانی اصطلاحی تنظیم کا ایک مختصر عکس ذیل میں چند اصطلاحوں کی تعریف سے مزید نمایاں ہوگا:

منطق کی تعریف: منطق وہ علم ہے جس کا موضوع فکر اور اس کے قوانین، وقاعدے ہیں جبکہ موضوع، علم منطق میں مبتداء ہے جو خبر کے مقابل ہو(۶)

علم، علم سے مراد ایک واقفیت وجان کار ہے جو عالم موجودات رنگ بو کے کسی حصہ یا نوع کے متعلق حاصل ہوتی ہے۔

141469

Marfat.com

ذکر، علم منطق وہ علم ہے جو ہمیں فکر سے متعلق مربوط، مسلسل، مکمل اور منظم واقفیت بہم پہنچاتا ہے اور فکر سے مراد شعور کی کیفیات جو استدلال کے لیے لازمی ہوں، شامل ہوتی ہیں۔

قوانین، قوانین منطق میں قانون کی تعریف یہ ہے کہ قوانین جو تغیر پذیر تو نہیں مگر قابل شکست ضروری ہیں۔

استدلال، استدلال دو یا دو سے زائد تصدیقات کے نتیجہ کو استدلال کہتے ہیں۔ استدلال صحیح ہونا چاہیے۔ ہمہ گیر اور تمام انسانوں پر محیط ہونا چاہیے۔

۲۔ شخصی دانش کی فکری تنظیم:

لسانی اصطلاحی تنظیم کا ایک خاکہ جب قائم ہوتا ہے تو اس میں پھر بتدریج ترقی ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔ ہر شخص دانش کا اظہار ان لسانی اصطلاحوں میں کرتا ہے اور ہر دانشور اور حکیم نے ان اصطلاحوں میں اضافہ کیا ہے۔ فلسفی / دانشور / حکیم زیادہ تر اپنے افکار کی تنظیم کسی ایک مرکزی اصطلاح سے جوڑتے ہیں اور اُسے محور بناتے ہیں جیسے علامہ اقبال نے ''خودی'' کی اصطلاح کے گرد اپنی فکر کو منظم کیا۔ بظاہر یہ لفظ کوئی زیادہ مثبت معنوں میں بھی مستعمل نہ تھا مگر اقبال نے اسے مثبت معنی پہنا کر میدان علم میں ایک نئی فکر کی تنظیم کی۔ ابن خلدون ''عصبیت'' کی اصطلاح استعمال کر کے عمرانی وحدت کے تصور کو اُجاگر کرتا ہے۔ یا جیسے ڈیکارٹ ''اسپنوزا اور لائبنز'' جوہر کو تصور کائنات وحیات کی تعبیر وتشریح کی بنیاد بناتے ہیں۔

شخصی دانش میں کارفرما عوامل ایک سے زائد ہوتے ہیں۔ جن میں پانچ کو نمایاں قرار دیا جاسکتا ہے۔

ا) مذہبی تعلیمات سے حاصل فکر وشعور۔

ب) مذہبی تعلیمات سے متعلق بنیادی الوہی صحیفہ جات وکتب۔

ج) تاریخی روایات کا تسلسل جو زبان، رسم ورواج اور ادب وفنون سے جھلکتا ہے۔

د) خطہ زمین کی نوعیت وہیت آب وہوا اور موسم۔

Marfat.com

ح) باقی رہنے اور آگے بڑھنے کا فطری داعیہ و جذبہ۔

مذہبی تعلیمات بچپن سے بلوغت اور پھر باشعور ہونے تک ساتھ چلتی ہیں۔ اس کے گہرے اثرات کا اندازہ تاریخ سے نمایاں ہے۔ مذہبی تعلیمات سے ہی انسان سوچ و فکر کی کسی سطح پر پہنچتا ہے اور پھر اُس کے ذہن میں جو سوالات جنم لیتے ہیں۔ اُن کی تلاش و جستجو میں لگ کر کچھ پاتا ہے۔ یہ سوالات زبان، رسم و رواج اور ادب و فنون کی مناسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ خطہ زمین یا وطن جہاں کوئی رہتا ہے۔ اُس کی نوعیت و ہیت یعنی میدان و پہاڑ اور اُس مناسبت سے موسم اور آب و ہوا اہمیت کے حامل ہیں۔ مذہبی صحیفہ جات کا مطالعہ مسلسل اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ یہ مطالعہ زبان و مکان کی مناسبت سے تغیر پذیر ہو کر اثرات مرتب کرتا ہے۔ جیسے توریت، انجیل اور قرآن کا مطالعہ مسلسل ہے۔ اور ان کے اثرات اُن افراد و قوموں پر مسلسل مرتب ہو رہے ہیں۔ ہندو مذہب اور کنفیوشس مذہب بھی صحیفہ جات کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُن سے اثر لیتے ہیں۔ صحیفہ جات کے علاوہ جب سے لکھنے پڑھنے کا عمل محفوظ کرنے میں انسان کامیاب ہوا تو شخصی فکر کی دانش پر مشتمل تحریریں و کتب بھی محفوظ ہو کر اگلے مرحلے پر انسانوں کی شخصی فکر پر اثر انداز ہونے لگیں۔ شخصی دانش کے آگے بڑھنے کا واحد جذبہ محرکہ باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی آرزو ہے۔ جو تھی، جو ہے اور رہے گی۔ شخصی دانش کے مفکرین کا ایک خاکہ محض اس خیال سے پیش کرنا مناسب لگتا ہے کہ اس طرح کے لوگ ہی علم کو فلسفیانہ نظم میں لانے پر مامور رہے ہیں۔ علوم کی تاریخ، اقسام اور تنظیم کی وسعت کا اندازہ بھی انہی شخصی دانش وروں کی حاصل فکر سے ہوتا ہے:

ا) پیرامنیڈس، سقراط، ارسطو، افلاطون، فیلاطوس اور کئی دوسرے فلسفہ یونان کے پس منظر میں نمایاں ترین انفرادی نام ہیں۔

ب) الکندی، الفارابی، ابن سینا ابن ماجہ، ابن رشد، ابن حزم، امام غزالی ابن خلدون اور کئی دوسرے اسلام کے فلسفہ کے پیش کار ہیں اور تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں

Marfat.com

ج) ڈیکارٹ، اسپنوزا، ہیوم، کانٹ، ڈارون، ہیگل، فرائیڈ، برگساں، برٹرنیڈ رسل، ولیم جیمز، اور متعدد دوسرے فلسفی جن کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ ایک دنیا بدلنے والی ٹیم ہے اور علمی تنظیم کے قیام میں ایک نیا سنگ میل عبور کیا ہے۔ شخصی دانش کی سیکڑوں حکماء پر پھیلی محض مغرب کی کہانی نہیں ہے۔ ان کہانیوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ یونان کے حکماء کی تعداد بھی کوئی کم نہیں ہے۔ ان سطور میں اسلام کے حوالے سے فلسفہ زیر بحث ہے۔ اسلام کی تفہیم اور تعبیر کے تحت کئی اصناف علم میں متعدد حکماء نے شخصی دانش کے جوہر دکھلائے ہیں:

ا۔ قرآن کی تفہیم کے میدان میں ایک تاریخی تسلسل ہے اور یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ ابن عباس، ابن کثیر، القرطبی، طبری، فخر الدین رازی، شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خان، ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریا آبادی، اشرف علی تھانوی، مولانا مودودی، پیر کرم شاہ، غلام احمد پرویز، اور متعدد مفسرین کرام نے قرآن حکیم پر کام کیا ہے۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔

ب۔ سنت و حدیث کے میدان میں حکماء حدیث کی محنت ایک تاریخی مثال ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری، محمد بن مسلم نیشاپوری، ابن ماجہ، امام نسائی، امام عیسیٰ ترمذی، ابی داؤد نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

ج۔ فلسفہ اسلام کے نمایاں فقہی حکماء میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام جعفر صادق اور متعدد دوسرے شامل ہیں۔

د۔ فلسفہ اسلام کے نمایاں صوفی و روحانی حکماء میں ابن العزلی جنید بغدادی، رابعہ بصریٰ، عبدالقادر جیلانی، بابا فرید شکر گنج، داتا گنج بخش، معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء، خواجہ بختار کاکی، صابر کلیر شریف، مجدد الف ثانی اور متعدد بزرگ شامل ہیں۔

Marfat.com

ح۔ فلسفہ اسلام کے چند نمایاں جدید فکری حکماء میں علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر حمید اللہ، علامہ محمد اسد، ڈاکٹر ظفر حسین، خلیفہ عبدالحکیم، حسین نصر، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر محمود احمد غازی اور متعدد دوسرے شامل ہیں۔

۳۔ اسلامی فکر کی اجتماعی وشرعی تنظیم:

میں کیا ہوں؟	یہ روح کیا ہے؟
میں کہاں سے آیا ہوں؟	یہ وقت، زماں اور مکان کیا ہے؟
مجھے کہاں جانا ہے؟	یہ جبر وقدر یعنی انسان مجبور محض ہے یا بااختیار بھی ہے۔
یہ کائنات کیا ہے؟	یہ حسن کیا ہے؟
یہ کیسے تخلیق ہوگئی ہے؟	یہ خوشی کیا ہے؟
یہ کسی ہستی کا کرشمہ ہے؟	یہ سچائی کیا ہے؟
یہ خود بخود کیا وجود میں آگئی ہے؟	یہ اخلاق کیا ہے؟
یہ مادہ کیا ہے؟	یہ انسان عمل کے لئے کس محرک سے داعیہ پاتا ہے؟

اسلام، علم، فلسفہ اور سائنس کے یہی بنیادی سوالات ہیں۔ ان ہی سوالات کے منظم و منضبط جواب کو مذکورہ ہر صنف کا فلسفہ کہا جاتا ہے۔ اسلام ان معنوں میں ایک کامل فلسفہ ہے۔ اسلام محض ان سوالات کا منظم و قابل عمل جواب فراہم نہیں کرتا بلکہ ان سوالات کے جواب اور عمل اور نتائج کے لئے بھی لائحہ عمل دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان سوالات و جوابات کو ایک نصب العین سے جوڑا ہے:

" ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون "

اسلامی فکر کی اجتماعی وشرعی تنظیم کے ضابطے کو چار حصوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(الف)۔فلسفہ عقائد:

اللہ پر ایمان ویقین۔ رسولوں پر ایمان ویقین۔ کتابوں پر ایمان ویقین، فرشتوں

Marfat.com

پر ایمان و یقین، موت و آخرت پر ایمان و یقین ۔ یہ عمومی و آفاقی دعوت کی بنیادی تنظیم ہے۔ اسلام کا امتیاز یہی ہے کہ اُس نے ایک خدا ایک رسول ﷺ کا مجرد تصور اُجاگر کیا ہے۔ یہی پہلا نکتہ ہے اور یہی آخری نکتہ ہے جس کے گرد سارا اسلامی فلسفہ گھومتا ہے ۔ عقائد کے پانچوں اجزاء انسانیت کا منشور اعظم ہیں۔ رسولوں کی تنظیم جو قائم کی گئی ، وہ ان عقائد خمسہ کی جان کاری، عمل اور اثرات کے حوالے سے قائم کی گئی ہے۔ کئی رسولوں و انبیاء اور صحیفہ جات و کتب کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے ۔فرشتوں کی ان گنت تعداد کے تذکرے کے ساتھ چند معروف فرشتوں کا بیان دراصل فرشتوں کے ایک نظم پر دال ہے۔ انسان و کائنات ایک بہت طاقت ور نظم ہے مگر یہ حقیقت کے راز سے پردہ اُٹھ جانے تک ہے۔ موت و آخرت راز حقیقت کا سفر نامہ ہے۔ اسلام کے اس سارے نظم کو علمی زبان میں فلسفہ ہی کہا جائے گا۔

(ب) ۔ فلسفہ ارکانیات و عبادات:

نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور جہاد

عقائد ایمانیہ کی پختگی کے لئے ایک تربیتی اور تصدیقی عمل کی تنظیم قائم کی گئی۔ یہاں بات ایک عمومیت سے خصوصیت کی طرف مراجعت کرتی ہے۔ تربیت و تصدیق کے لئے اس مقام پر رسولوں کی تنظیم کی رکنیت کی ضرورت ہے۔ اسلام کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اُس نے تمام سابقہ انبیاء و رسل کو رسولوں کی تنظیم کا حصہ اور انہیں برحق قرار دے کر اُن کی تربیتی اور تصدیقی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ اور پھر قرآن نے محمد رسول ﷺ کو اس تنظیم رسالت کا آخری نمائندہ قرار دے دیا اور یہ قرار دیا کہ اس تنظیم رسالت کا آئندہ کوئی نمائندہ رسول نہیں ہو گا بلکہ اس تنظیم رسالت کا کام آپ ﷺ پر مکمل ہو گیا ہے اور زندگی کا اگلا سفر حضرت انسان کے شعوری کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ جو لوگ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لا کر اُمت محمدیہ میں شمولیت اختیار کرتے آرہے ہیں۔ ان کو نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور جہاد کے تربیتی و تصدیقی عمل سے گزرنا ہو گا۔

☆ نماز کا تربیتی و تصدیقی فلسفہ کیا ہے؟

Marfat.com

☆ روزہ کا تربیتی وتصدیقی فلسفہ کیا ہے؟

☆ حج کا تربیتی وتصدیقی فلسفہ کیا ہے؟

☆ زکواۃ کا تربیتی وتصدیقی فلسفہ کیا ہے؟

☆ جہاد کا تربیتی وتصدیقی فلسفہ کیا ہے؟

اگر ان ارکانیات کو فلسفہ عقائد سے جوڑے رکھیں تو ان کا فلسفہ عیاں ہوتا رہے گا۔ تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

(ج)۔ فلسفہ فکریات:

ا۔ الہیاتی فلسفہ ب۔ طبعیاتی فلسفہ ج۔ حیاتیاتی فلسفہ د۔ نفسیاتی فلسفہ

خدا، رسول، وحی، موت اور روحانی ترقی و انکشاف الہیاتی فلسفہ کے تحت زیر بحث آتے ہیں۔ سورج، چاند، زمین، سمندر اور کائنات میں موجود مادی اشیاء کو طبعیاتی فلسفہ کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ زندگی کیا ہے؟ معمولی حیات سے انسانی حیات کو حیاتیاتی فلسفہ کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان کی روحانی و مادی اور شعوری و غیر شعوری کیفیت و راز حقیقت کو جاننے کا نام نفسیاتی فلسفہ ہے۔

(د)۔ فلسفہ معاملات:

یہ دنیا ہے۔ ایک حقیقت ہے۔ یہ حرکی ہے۔ صدا آرہی ہے دمادم، پہلے انسان سے موجودہ انسان تک دنیا کا سفر انسانوں کے ذریعے طے ہوا ہے۔ معاملات دنیا کل بھی تھے آج بھی ہیں، کل بھی ہوں گے۔ انسان کی زندگی کے تین پہلو نمایاں ہیں:

ا) زندگی کا انفرادی پہلو

ب) زندگی کا اجتماعی وقومی پہلو

ج) زندگی کا بین الاقوامی پہلو

انفرادی، قومی اور بین الاقوامی کردار و عمل معاشرت، معیشت اور سیاسیات کے میدانوں میں

Marfat.com

نمایاں ہوتا ہے اور مثبت و منفی نتائج کا باعث بنتا ہے۔

۱۔ معاشرت کے تین نمایاں پہلو ہیں جہاں آپ کا کردار ایمان، عقیدہ اور عبادات کے تحت تیار ہوتا ہے اور پھر لوگوں سے معاملات پیش آتے ہیں:

تعلیم

صحت

انصاف

اسلام ان تینوں میدانوں کے لئے انسان دوست رویے پر زور دیتا ہے اور یہ روّیہ دراصل وہ نتیجہ ہے جو ایمان عقیدہ اور عبادات سے مستحکم ہوتا ہے۔ اسلام کے اس موقف کے باوجود مسلمان ملکوں میں تینوں میدان غیر معیاری ہیں۔ یہ ایک سوال ہے؟

۲۔ معیشت کے تین بنیادی مقاصد ہیں:

روٹی

کپڑا

مکان

یہ انسان کی بنیادی ضرورتیں ہے۔ جائز و حلال کے لئے اسلام کی ہدایت ہے۔

۳۔ سیاسیات، ریاستی معاملات سے متعلق اصولوں و ضابطوں کا نام ہے۔ انتظامیہ اور مقننہ میں عوامی شرکت کا بھرپور مظاہرہ اسلام کا مدعا ہے۔ جس کا مظاہرہ اسلامی ممالک میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ سیاسی زندگی کے چار پہلو نمایاں ہیں۔

۱۔ عوامی شرکت۔

۲۔ اقتدار میں عوامی شرکت کا ممکن ہونا۔

۳۔ عوامی فلاح و بہبود کا نصب العین ہونا۔

۴۔ اللہ کی حاکمیت کا تصور مدِ نظر رکھنا۔

Marfat.com

امام غزالیؒ ،فلسفہ اسلام اور ابن رشد:

''اسلام ایک فلسفہ ہے'' یہ بات ادھوری رہ جاتی ہے اگر ہم امام غزالیؒ کا فلسفہ کے خلاف معاندانہ رویہ زیر بحث نہ لائیں اور پھر ابن رشد کا تذکرہ نہ کریں جس نے امام غزالیؒ کے معاندانہ موقف کی تردید کی پھر اُمت اور مسلم ادب پر امام غزالیؒ کے اثرات مرتب ہوئے جو عقل وخرد اور فلسفہ بے زار تھے جس کا نتیجہ عصر حاضر کے استدلالی دور میں مسلم علم وادب تہی دست پاتا ہے۔ اس کے باوجود کہ قرآن حکیم میں افلا یتدبرون جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے فلسفہ اور فلسفی کو غیر اسلام اور کافر سمجھ کر تنقید کی اور مسترد کیا۔ یہ طریقہ حضرات علماء کا رہا ہے۔ آگے چل کر اشعری نقطہ نظر اپنا لیا گیا اور معتزلی نقطہ نظر معتوب ٹھہرا۔ یوں غور وفکر اور عقل کا عمل دخل زندگی سے خارج ہوگیا۔ امام غزالیؒ نے فلسفہ پر کم اور فلسفی پر زیادہ تنقید کی۔ فلسفہ کو وہ علم نہیں بلکہ ایک مستقل علمی موقف سمجھتے ہیں۔ علمی موقف ایک شخص کا ہوتا ہے۔ اُس سے اختلاف بھی علمی موقف ہی ہوگا۔ جبکہ متعدد افراد کا موقف ڈھلتے ڈھلتے آگے بڑھتا ہے تو وہ معقول علم بن جاتا ہے۔ اُس کو فلسفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اختلاف تو پورے ایک فلسفہ سے بھی کیا جاتا ہے اور پھر متعدد ادوار یا زمانوں کے فلسفہ ہائے کسی ایک مرکز کی طرف جھکتے ہیں۔ یہ سلسلہ علم کی دنیا میں جاری رہتا ہے۔

فلسفہ کا دوسرا اہم پہلو علم پر غور وفکر کے بعد اُسے ایک قابل عمل تنظیم اور حکمت عملی میں ڈھالنا ہے۔ اس کے لئے ہر زبان میں طاقت ور اور توانا الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے۔ فلسفی جو موقف اپناتا ہے۔ اُسے وہ اپنی زبان کے جامع اور معتبر الفاظ میں باقاعدہ ایک تنظیم دے کر بیان کرتا ہے۔ چند اصطلاحوں میں وہ اپنا موقف بیان کرتا ہے۔ جیسے ابن خلدون ''عصبیت'' اور علامہ اقبال ''خودی'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ جہاں عالم اور صوفی ہیں وہاں وہ فلسفی بھی ہیں اور انہوں نے اسلام کو

Marfat.com

ایک فلسفیانہ تنظیم میں بیان کیا ہے۔ اسلام بطور فلسفہ سمجھنے کے لئے ان کی کتاب ''کیمیائے سعادت'' ایک عمدہ مثال ہے۔ دوسرا منطق جو فلسفہ کی جڑ ہے۔ اُسے درست مانتے ہیں اور ایسے ہی حکمت کو اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ جبکہ فلسفہ کو دوسرا نام حکمت اور فلسفی کو دوسرا نام حکیم دیا جاتا ہے۔ منطق کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ''اس فن پر غور کریں تو اس میں بھی کوئی بات دینی تقاضوں سے متصادم معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا علم دین سے براہ راست نفیاً یا اثباتاً کوئی لگاؤ ہی نہیں کیونکہ اس میں تو صرف بحث ہوتی ہے کہ دلائل کیا ہیں۔ جانچ پرکھ کے پیمانے کیا ہیں؟ برہان کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ۔''(۷)

امام غزالیؒ ''المنقذمن الضلال'' میں چار گروہوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو حق و صداقت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ متکلمین، باطنیہ، فلسفی اور صوفیاء۔ اگر یہ کہا جائے کہ خود امام غزالیؒ ان چاروں راستوں کے علوم کو حاصل کرنے کی تگ و دو کے ساتھ اسلام کے حوالے سے ایک عالم بھی تھے، تو غلط نہ ہوگا۔ انہوں نے اپنے وقت تک کے متکلمین، باطنیہ، فلسفیوں اور صوفیاء کے حاصل افکار کا تحریری مواد میں موجود ٹیکسٹ پڑھا۔ جن سے انہوں نے تشفی نہیں پائی اور کئی تشنہ سوالات ابھر کر سامنے آئے۔ جس پر انہوں نے اپنی علمی بصیرت سے نقد و تبصرہ کیا اس کے بعد ابن رشد کے علاوہ کئی دوسرے اہل علم و فکر نے بھی امام غزالیؒ کے موقف پر نقد و تبصرہ کیا اور احقر کے یہ الفاظ بھی حد درجہ احترام کے باوجود سپرد قلم کیے جا رہے ہیں۔ احقر بھی کم و بیش انہی سوالات کے ساتھ غور و فکر کے میدان میں گیا مگر فلسفہ سے نفرت نہیں ہوئی۔ فلسفہ کو تنظیم علم ہی جانا اور اُس میں بیان کردہ موقف کو پڑھا اُس سے اتفاق و اختلاف قطعی طور پر وقت اور زمانے کے حالات پر موقوف ہوتا ہے اور کسی شخصی فلسفے کی علمیت اور اُس کا پس منظر ہوتا ہے۔

اسلام کے حوالے سے ابتداء میں جو لکھا گیا اور پھر یہ تسلسل بعد کی صدیوں میں جاری رہا اور اب بالکل ایک نئی دنیا ہے۔ اسلام کے بنیادی تصورات، خصوصاً عبادات اپنی اُسی

Marfat.com

روح اور طریق کار کے مطابق صدیوں سے ایک جیسے ہیں۔ نماز کے طریق کار میں زمانی و مکانی فرق نہیں آیا۔ روزے انتیس، تیس اور وہ بھی صرف رمضان میں کہیں تبدیلی نہ آئی۔ زکواۃ سے کوئی منکر نہ ہوا اور حج کی ادائیگی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ البتہ معاملات آگے بڑھتے ہیں تو تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ تبدیلی کو نصب العین سے ہم آہنگ رکھنے کے لئے قرآن بطور ہدایت موجود ہے۔ اُس کی یہ اہمیت وحیثیت برقرار رکھنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی پاکستان میں فلسفہ کی آخری مستند کڑی شمار کیے جاتے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔اے علوم اسلامیہ کے دوران انہی کی جودفکر سے احقر کو فکری جلا ملی۔ فلسفیانہ انداز کی اہمیت کا احساس ہوا۔ عصر حاضر میں اسلام کے حوالے سے استدلالی کمزوری کی وجوہات سمجھ میں آئیں۔ عقل وسائنس کے دور میں اسلام وقرآن کے کردار کو بااثر کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب جدید مغربی فلسفیانہ موقف کے فلسفیوں کے افکار کو زیر بحث لاتے تھے اور قرآن کا نقطہ نظر بیان کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ طرز استدلال صوفیانہ تنظیم میں مجدد الف ثانیؒ اور فلسفیانہ تنظیم میں ڈاکٹر علامہ اقبال سے مستعار تھا۔ اُنہوں نے فلسفیانہ قضیے کو اسلامی تناظر میں دو اصطلاحوں سے وضاحت کی:

ا۔ انسانی ذہن کا زائدہ علم

ب۔ وحی کا عطا کردہ علم

انسانی ذہن کے زائدہ علوم سے مراد وہ انسانی کاوشوں سے بتدریج حاصل ہونے والے علم کو کہتے ہیں جس کا ماٰخذ انسان کا مذہب ہے۔ اُس کا تجربہ ہے۔ اُس کا غور وفکر ہے اُس کی معاشرت وتہذیب ہے۔ اُس کا زمانی ومکانی ارتقاء ہے۔ یہ بتدریج ہے اور اقدام وخطا کے انداز میں صداقت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہر متکلم، ہر فلسفی، ہر سائنس دان، ہر عالم اور ہر صوفی پہلے سے اُبھرنے والی غلطی کو اجاگر کرتا ہے۔ اور پھر اس کی جگہ درست نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ غلطی اور درستگی ہی دراصل انسانی علم کا ارتقاء ہے۔

دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کا موقف ہے۔ کہ وحی قطعی وحتمی علم ہے۔ اس کا یہ درجہ

Marfat.com

پوری طرح برقرار رہنا چاہیے۔ انسانی علم بلا شبہ وحی سے ہی ماخوذ چلا آرہا ہے۔ مگر وہ انسان کی سمجھ و بصیرت سے عیاں ہو رہا ہے۔ یہ امتیاز ہر حال میں قائم رہنا ضروری ہے: تا کہ اصل عبارت اور اُس سے مستعار معنی میں جوہر اور نوعیت میں فرق عیاں رہے اور مستقبل کے انسان کے لئے اصل عبارت اپنی مکمل اہمیت کے ساتھ سامنے رہے۔ اور اسی وحی سے اپنی بصیرت و تجربہ سے باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی حکمت عملی مرتب کرتا ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام غزالی نے فلسفیانہ انداز میں اپنا فلسفہ ترتیب دے کر بھی فلسفہ کو رڈ کیا۔ آگے چل کر امام غزالیؒ کے گہرے اثرات اُمت پر مرتب ہوئے۔ ان اثرات میں یہ عیاں ہوا کہ انسان کو متکلمانہ یا فلسفیانہ غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ عام آدمی کی ضرورت یا استعداد نہ ہو مگر اُمت کے آگے بڑھنے کے لئے غور وفکر بنیادی شرط ہے اور یہ کام تو وہی کرتے ہیں جن کو خدا نے استعداد دے رکھی ہوتی ہے۔ ہمارا مسئلہ عصر جدید میں مزید گھمبیر ہو گیا ہے۔ یہ سائنسی اور استدلالی دور ہے۔ سائنسی زبان اور فلسفیانہ انداز فکر نمایاں ہے۔ اس ماحول میں ہمیں قرآنی فکر کا احیاء درکار ہے۔ جب احیاء کی بات آئے گی تو امام غزالیؒ کی ''احیاء علوم الدین'' اور ''کیمیائے سعادت'' تو ذہن میں ضرور آئے گی۔ وہی احیاء آج پھر درکار ہے۔ آج کا دور عقلی و سائنسی ہے دینی نہیں ہے اس لئے احیاء کی کوشش بھی عقلی و سائنسی ہوگی۔

امام غزالیؒ پر ابن رشد نے نقد و نظر کیا اور اُن کے افکار میں موجود خامیوں کی نشاندہی کی اور فلسفیانہ غور وفکر کو کفر کے دائرے سے نکالنے کی کوشش کی مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا اور امام غزالیؒ کے افکار عالم اسلام میں سرایت کر گئے۔ جبکہ ابن رشد کو مسلم دنیا میں نظر انداز کیا گیا البتہ ابن رشد کے اثرات یورپ میں سرایت کر گئے۔ امام غزالیؒ کی تاریخ وفات ۵۰۵ء ہے اور ابن رشد کی تاریخ پیدائش ۵۲۰ء ہے۔ امام غزالیؒ نے ''تہافت الفلاسفہ'' لکھی ہے جس میں فلسفہ کی تردید پیش کی گئی۔ حالانکہ یہ تردید چند افکار میں ہے۔ جو چند فلاسفہ سے منسوب ہیں۔ سب فلسفیوں کا یہ موقف نہ تھا اور نہ سب علماء نے امام غزالیؒ کی طرح اُس وقت

Marfat.com

فلسفیوں کی تردید کی۔ ابن رشد فلسفی بھی تھا اور سائنس دان بھی مگر علوم اسلامیہ اور طب میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے امام غزالیؒ کی ''تہافت الفلاسفہ'' کے جواب میں تہافتہ التہافتہ لکھی۔ (۸) اسلامی حوالے سے استدلال کی اہمیت کو نمایاں کیا۔

عصر جدید میں متعدد اہل علم وفکر نے مغربی دلائل ونکات کو قرآن اور اسلامی فکر کے تناظر میں زیر بحث لایا ہے اور یہ جستجو اس خاطر ہوئی ہے کہ تمام مسلم ممالک زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں جبکہ باقی دنیا آگے نکل گئی ہے۔ مسلمان معاشی، سیاسی اور معاشرتی طور پر ہی پسماندہ نہیں رہ گیا بلکہ عقلی و استدلالی لحاظ سے بھی بہت پسماندہ رہ گیا ہے۔ اس پسماندگی سے نکلنے کے لئے اصحاب علم وفکر کی کوششیں جاری ہیں۔ ان میں اہم ترین کوشش ڈاکٹر علامہ اقبال کی ہے جن کے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور مسلمان اب زیادہ دلیری سے اس میدان میں محنت کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال کو بھی فلسفی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے افکار کو منظم انداز میں پیش کیا اور علماء کا واعظانہ انداز اختیار نہ کیا۔ انہوں نے مغربی فلسفہ کے متعدد افکار کو اسلامی فلسفہ سے رد کیا ہے اور انہیں درست سمت دی۔ بلاشک وشبہ اقبال کی فکری کاوش نے اسلامی فکر کو نئی حرکت دی۔ اقبال نے قرآن و نبی اللہ ﷺ کی ذات کو اپنے فلسفہ کا محور بنایا اور خودی کی سرنہاں سے آگے بڑھے۔

اقبال کے کام کو آگے بڑھانے، امام غزالیؒ کے حوالے سے فلسفہ وفلسفی کے بارے میں غلط فہمی اور ابن رشد اور کئی دوسروں کے سائنسی وفلسفیانہ انداز فکر سے استفادے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب فلسفہ وسائنس اور دوسرے جدید علوم کو مرکز نفرت نہ بنایا جائے۔ ان علوم کو قواعد قرآن مجید یعنی علوم القرآن میں شامل کیا جائے تاکہ یہ بات سامنے آئے کہ یہ قرآن کے متحارب ومخالف نہیں بلکہ قرآن کی آیات کی تعبیر وتشریح کا حصہ ہیں۔ علوم القرآن ابتداء سے ہی مرتب ہوتے آئے ہیں۔ ان قواعد قرآن میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر جدید کی سائنسی واستدلالی زبان میں بات کرنے کے لئے ان علوم کو علوم القرآن میں رکھ کر قرآن سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

Marfat.com

فلسفہ، علوم قرآنی و علوم انسانی کی عقلی و استدلالی تنظیم :

☆ اسلام میں خدا کی وحدیت و یکتائی پر ایمان پہلی شرط ہے۔

☆ آخر الزماں نبی ﷺ پر ایمان اسلام کی دوسری شرط ہے۔

☆ قرآن اسلام کا دستور فکر و عمل ہے۔ تیسری شرط ہے۔

☆ فقہ قوانین شرعی کی سادہ انسانی تنظیم و اطلاق کا نام ہے۔ چوتھی شرط ہے۔

سائنسی علوم انسان کی تجربی توثیق کی تنظیم ہے۔ علم کو فکری تنظیم دے کر اطلاق صورت دینا نتیجہ خیزی کا عمل ہے۔ بطور مسلمان، ایک انسان کا یہی علمی دائرہ ہے جس میں وہ غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت کا لازمی تقاضہ ہے۔ آپ ﷺ سے جاری انسانی فکر اور تہذیب و معاشرت میں توحید کی ایک جامع علمی و استدلالی فکر دی حالانکہ ایک خدا کا تصوّر تو پہلے سے بھی موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید کو ان تمام امور میں انسان کو نئی ہدایت بخشی جو قبل ازیں ارتقاء کی منازل پر تھے۔ بار بار تدبر و تعقل پر بھی زور دیا۔ دراصل انسانوں کی کئی سطحیں ہیں۔ سب انسان تعقل و تدبر کی اعلیٰ سطح پر فائز نہیں ہوتے۔ انسانوں کی اکثریت محض بتائے ہوئے معین راستوں پر گامزن رہتی ہے۔ مگر یہ معین راستے تعقل و تدبر سے طے ہوتے ہیں۔ فقہی قوانین شرعی اس کی ایک مثال ہے۔ یہ اہل تدبر نے گہرے غور و فکر سے معین کیے۔ یہ قرآن سنت و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ مگر ایک اعلیٰ سطح کی علمی تنظیم ہے۔ جس کے پیچھے ایک منظم فکر ہے۔ یہ دنیا کا بہت بڑا فلسفیانہ کام ہے۔ مسلمانوں میں یہ بڑے پیمانے کا انوکھا کام ہے یہ فقہ بہت بڑا فلسفہ ہے۔ مسلم ادب اسے اگر فقہ کا نام دیتا ہے تو درست ہے کیونکہ مسلمانوں کو ہر حال اپنی زبانوں و اصطلاحوں میں علم مرتب کرنا تھا۔ زمانہ اسے اگر فلسفہ کہے تو برا ماننے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہر زمانے کے کچھ اپنے پیمانے ہوتے ہیں۔ فلسفہ کی اصطلاح تو اسلام سے قبل مستعمل تھی۔ اس کا اصل یونانی لفظ ہے۔ اہل یونان نے علمی تدبر بھی مذہبی دشمنی میں نہیں بلکہ علمی تنظیم کے لئے شروع کیا تھا۔ لوگ کم و بیش کسی مذہب سے متعلق

Marfat.com

تھے۔ اُن کے ہاں غور وفکر اور بحث و جدل کی تاریخ علمی تنظیم اور حکمت عملی کے تحت اطلاق پذیری کے لئے ہوتی تھی۔ اسی کو انہوں نے فلسفہ قرار دیا۔ یہ لازمی نہ تھا کہ مسلمان اس علمی اصطلاح کو استعمال کرتے اور مسلمانوں نے فقہ کی اصطلاح استعمال کی حالانکہ بظاہر قرآن ایک علمی تنظیم، سنت و حدیث ایک علمی تنظیم ہی ہیں۔ قرآن میں تدبر و تفکر کے الفاظ بھی استعمال ہوئے اور حکمت کے بھی شائد یہ بھی مسلمانوں کے ہاں معاندانہ روّیہ کی وجہ ہو کہ یونانی لفظ ہے اور اس سے چند مخصوص یونانی نظریات مراد ہوں جو مسلمانوں کے ہاں قابل قبول نہ ہوں۔ لیکن ایک طویل سفر کے بعد بھی کہانی تو وہیں ہے۔ علم کے مسائل تو اُسی طرح زیر بحث ہیں۔ جیسے آغاز اسلام میں تھے۔ پھر پہلی صدی کے اختتام سے قبل فلسفہ کے طریق بحث یعنی عقلی استدلال کی اہمیت پر مسلم دنیا میں بحث ہوئی۔ معتزلہ جن کا تاریخ میں نام پڑا۔ یہ غیر مسلم نہ تھے۔ بلکہ حسن بصریؒ (وفات ۱۱۰ء ۷۲۸ء) کے حلقہ سے تعلق رکھنے والے افراد تھے۔ بعض افراد حسن بصریؒ کو سرخیل سمجھتے ہیں۔ (۹) یقیناً اس کے مقابل اشعری نقطہ نظر عام آدمی کے قریب رہا اور آگے چل کر مقبول ہوا۔ البتہ علم کو تنظیم فکر دینے والوں کی کمی کبھی نہیں آئی۔ بعض اوقات ایسے ہوتا تھا کہ ایسے لوگ روایتی علماء کے زمرے میں شمار نہ ہوتے تھے نہ وہ اسلام کے مسلکی دائرے میں آتے تھے اس لئے علماء انہیں فلسفی قرار دے کر اسلام سے غیر قرار دیتے آئے ہیں اور عام قاری اُن کے علم سے کم فائدہ اُٹھاتا رہا ہے یا کم استعداد پاتا رہا ہے۔

عصر جدید عقلی، استدلالی اور سائنسی دور ہے۔ فلسفہ و سائنس کے تحت علمی ترقی ہوتی ہے۔ اسلام کے تحت ترقی کا کوئی پیمانہ مسلمان ایجاد نہ کر سکے بلکہ فقہ بھی جامد رکھنا عین اسلام قرار دیا گیا۔ موجودہ صدیوں کے مسلمانوں کو علمی ترقی میں آگے بڑھنے سے روکنا عین اسلام سمجھا گیا۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ علمی اصطلاح کے لئے ضروری نہیں کہ اُسے فلسفہ و سائنس کہیں۔ کوئی قرآنی اصطلاح سامنے لائی جاسکتی ہے۔ جدید فلسفہ و سائنس کے کارنامے سامنے رکھ کر اور اُن میں نظریاتی یا استدلالی خامی کو بہتر طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ جیسے مغرب کے ہاں نظریہ ارتقاء (Evolution) کا ایک تصور پیش کیا گیا۔ یہ سائنس بھی ہے اور فلسفہ بھی۔ خود

Marfat.com

مغرب کے متعدد دانشوروں نے اس سے اختلاف بھی کیا اور اتفاق بھی۔ متعدد نے اس کی کئی خامیوں کو اجاگر کیا اور درست کیا۔ ہنری برگساں کا نظریہ تخلیق اس ضمن میں زیادہ قابل قبول صورت رکھتا ہے اور نظریہ قرآن کے قریب ہے۔ قرآن حکیم میں انسان کی تخلیق کا ایک مربوط اور منظم نظریہ ارتقاء پہلے سے موجود ہے۔ اسے استدلالی اور سائنسی جہت دینے میں قطعی حرج نہیں ہے۔ علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے علاوہ متعدد دوسرے علماء و حکماء نے ڈارون کے سائنسی و فلسفیانہ علمی استدلال کو قرآن کے ذیل میں نقد و نظر سے گزرا ہے۔ اس نقطہ نظر کو قرآن کا فلسفہ ارتقاء یا قرآن کا نظریہ ارتقاء کہنے میں حرج اس لئے نہ ہے کہ آج کا آدمی اس کو جدید علمی اصطلاحوں میں قرآنی فکر بھی جان سکے۔ قرآنی اصطلاحوں میں بیان کرنا اوّلیں ترجیح ہے۔ اور رہنی چاہیے مگر انہیں جدید علمی اصطلاحوں کے غیر استعمال کرنا علمی کشمکش سے الگ ہونے والی بات ہے۔

علم کو فکری تنظیم دے کر اُس کا انسانوں پر اطلاق کرنا ایک منظم طریق کار اور ایک اصولی حکمت عملی ہے۔ جس قدر منظم اطلاق ہوگا۔ نتائج اچھے آئیں گے۔ بطور مثال اگر سکول و کالجز اور مدارس کا تذکرہ کریں تو جو ادارے ایک متعین طریق کار کے تحت سخت اصول پسندی کے تحت بہتر نتیجہ دیتے ہیں اور جہاں انتظام ذرا ڈھیلا ہوتا ہے۔ نتائج مناسب نہیں آتے۔ یہ نتائج علم کی بنیاد پر طالب علم یا انسان کی تیاری سے مشروط ہوتے ہیں۔

قرآن کے مطالعہ کے ضمن میں فلسفہ کو بطور علمی تنظیم استعمال کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اب تک ابھرنے والے ایسے نظریات جو فلسفہ کہلائے اور علم و معاشرت پر اثر انداز ہوئے انہیں علوم القرآن یعنی باضابطہ طور پر ان قواعد و ضوابط کا حصہ بنایا جائے جو مطالعہ قرآن کے وقت مدِنظر رکھے جاتے ہیں۔ قواعد و ضوابط میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ کئی قواعد وقت کے ساتھ ختم ہوتے گئے اور کئی دوسرے حصہ بنتے گئے۔ وقت کے ساتھ ابھرنے والے نظریات و افکار کو نظر انداز کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح آپ ایک متوازی تنظیم کی حقیقت کو تسلیم کر رہے ہوتے ہیں۔ قرآن کے ماننے والے قرآن سے اخذ و استنباط کو اپنی

Marfat.com

بصیرت اور اپنی رو پر سامنے لاتے رہتے ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ بھی انسان علمی تجربات کی کئی منازل سے گذرتا ہے۔ وہ تجربات بھی اس دنیا کے ہیں۔ قرآن کی رو سے ان کا جائزہ لینے میں حرج نہیں ہے۔

فلسفہ مفاسد اسلام میں ہے کیا؟

اسلام کی مجرّد اصطلاح کے مقابلے میں علم کی تمام دوسری اصطلاحوں کو مسلم ادب میں ردّ کر دیا جاتا رہا ہے۔ دوسری طرف اسلام کی جب بھی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آتی تو ''وقت'' اور ''زمانے'' کی کئی علمی اصطلاحوں سے موضوع زیر بحث میں مدد لی گئی ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے اور اسلام وہ کہتا ہے، کی حد تک ہمارا موقف مجرّد اور سخت ہوتا ہے اور جب عملی دنیا میں آتے ہیں تو موجود انسان اور معاشرے کی تبدیلی کا چیلنج در پیش ہوتا ہے جسے علمی لائحہ عمل اور حکمت عملی سے تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں جو علمی تنظیم اور حکمت عملی طے کی جاتی ہے۔ زمانے کی اصطلاح میں وہ فلسفہ ہے اور مسلمان دانشور جب ان مراحل سے گزرے تو وہ اسے اسلامی فلسفہ کہنے لگے اور عالم گزرے تو اس کے نزدیک یہ اسلام ہے۔ یہی صورت حال دوسرے علماء اور ان کی اصطلاحوں سے وابستہ چلی آرہی ہے۔

ان سطور میں اس بات کو اجاگر کرنا ہے کہ علم، علمی تنظیم اور فکر مفاسد اسلام نہیں ہیں۔ مفاسد ہر علم کا حصّہ ہو سکتے ہیں اور اسلام کا مقصد و مدعا ان مفاسد کو اجاگر کرنا اور پھر انہیں ختم کرنے کا لائحہ عمل دینا ہوتا ہے۔ مفاسد کی ایک خوفناک تصویر درج ذیل ہے:

۱۔ اسلام سے قبل ہر علم جہالت تھی اور اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۲۔ یونانیت اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۳۔ عجمیت اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۴۔ تصوف اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۵۔ فلسفہ اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

Marfat.com

۶۔ سائنس اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۷۔ سیاست یا سیاست جدیدہ اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۸۔ معیشت یا معیشت جدیدہ اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

۹۔ علم جدید اُمت اسلامیہ کے مفاسد میں سے ہے۔

علم کی ان جہات کو مفاسد قرار دینے کے بعد ہمارا رویہ انبیاء کے تسلسل اور علم کے ارتقاء کے برعکس و متوازی چلا جاتا ہے۔ یہ بات آپ ﷺ جو انبیاء کے سرخیل اور تکمیل علوم الوحی کے علمبردار اور بہترین اُمت کے کامل نبی ہونے کے دعویدار ہیں کے خلاف جاتی ہے۔ یہ قابل غور نقطہ ہے۔

(۱) اسلام سے قبل علم کو جہالت قرار دینا درست نہیں ہے نہ اُسے اسلام و اُمت کے مفاسد قرار دینا درست ہے۔ تمام انبیاء پر ایمان اُمت کا جزو ایمان ہے۔ وہ تمام انبیاء اسلام ہی کے پیغمبر تھے۔ آپ ﷺ تکمیل نبوت کے مرتبہ پر فائز ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ اسلام کا تمام انبیاء کے ذریعے ایک ارتقاء ہو چکا تھا۔ اس کی باقاعدہ تصریح آپ ﷺ نے کی اور قرآن نے تائید کی۔ کسی انسانی بستی میں علم کی روشنی یا نبوّت کی آواز کا نہ پہنچنا درست ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی عربوں پر صادق نہیں آتی کیونکہ عرب میں مذاہب کے پیروکار موجود تھے۔ جاہلانہ رسموں کی بات ایک الگ بحث ہے اور وہ آج بھی موجود ہیں اور انسانی شعور کی بلندی کے ساتھ یہ مٹ جائیں گی۔

جہاں تک مفاسد کا تعلق ہے۔ علم اپنی ذات میں فاسد نہیں ہوتا اور نہ اسلام کی رو سے کافر ہوتا ہے۔ جو شخص، جو قوم اور جو اُمت باقی رہنے اور آگے بڑھنے کا نصب العین متعین کرتی ہے۔ اُس نصب العین کو روکنے کے لئے جو حربے استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں منزل کے حصول کی راہ میں رکاوٹ یا مفاسد قرار دے سکتے ہیں، مگر قرآن نے اسے باقی رہنے اور آگے بڑھنے کے فلسفہ کے تحت بیان

Marfat.com

کیا ہے۔ یہ کہ:

''ہم نے ہر نبی کے واسطے ایک ایک مفسد یا دشمن پیدا کیا ہے۔''

گویا یہ کاوٹیں، مفاسد اور دشمنی آگے بڑھنے اور باقی رہنے کی شرط ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جن کو ہم اسلام کے مفاسد قرار دے رہے ہیں۔ وہ واقعی ہی مفاسد ہیں۔ یا علم کے ارتقاء کا حصہ ہیں؟ مفاسد کے لئے معیار و پیمانہ کیا ہے؟ اور علم میں ارتقاء کا سبب بنتا کتنا مختلف ہے؟

(۲) یونانیت کو اُمت اسلامیہ یا اسلام کے مفاسد قرار دینا درست نہیں ہے۔ یہ انسانی عقل کا ایک درجہ اور ارتقاء کا ایک زینہ ہے۔ غور و فکر ایک منزل ہے۔ شعور کی ایک [illegible] ہے۔ بقول ڈاکٹر برہان احمد فاروقی یونانی ذہن پر جو بوجھ فلسفیانہ غور و فکر کا محرک بنا وہ محسوس و معقول (حس و عقل) کی ناسازگاری کا تصور بنا۔ جسے رفع کرنا ضروری ٹھہرا۔ افلاطون اور ارسطو کے فلسفیانہ افکار دراصل حس اور عقل میں ناسازگاری کے تصوّر پر غور و فکر کا نام ہے۔ غور و فکر اسلام کے مفاسد نہیں بلکہ حکم الٰہی ہے۔ انسان کے جبلّی آلہ جات تو حس اور عقل ہی ہیں۔ حس تجربات اور عقل وجدان کی موجب ہے۔ قرآن میں عقل کی بنیاد پر غور و فکر اور تدبر پر کئی آیات وارد ہوئی ہیں۔ تتفکرون اور یتفکرون ۲۶ مرتبہ یعقلون ۲۸ مرتبہ تعقلون ۲۵ مرتبہ آیا ہے۔

(۳) عجمیت کو اسلام کے مفاسد قرار دینے سے یہ تصور اُبھرتا ہے کہ اسلام پر محض عربوں کی اجارہ داری ہے۔ اسلام عرب و عجم سے بہت بلند ہے۔ نبوّت کا فلسفہ کسی علاقے یا قبیلے سے منسلک نہیں کیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ اپنی محبت و عقیدت کی بناء پر نبی کے علاقے یا قبیلے کا احترام کریں۔ یہ محبت و عقیدت کی بات ہے۔ فلسفہ نبوّت کی بات نہیں ہے۔ نبوت انسان کے لئے ہوتی ہے اور دنیا میں اس کی احسن راہنمائی کا نام ہے۔ نبوّت عطائی ہوتی ہے۔ کسبی نہیں ہوتی اس لئے

Marfat.com

نبی سارے انسانوں اور ساری انسانیت کا راہنما اور سرمایہ ہوتا ہے۔

جہاں تک محبت و عقیدت کی بات ہے عجمی لوگ آپ ﷺ کے عشق میں جہاں پہنچتے ہیں۔ شائد وہ ایک فقید المثال انداز اور کہیں نظر نہ آتا ہو۔ ہاں عجمی لوگوں کا آپ ﷺ سے کوئی نسبی و علاقائی تعلق نہ سہی، محض اور محض ایک نبی اور اُمتی کا ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جو ہر مفاسد کا قاطع ہے۔ بظاہر عجمیت و عربیت محض دو علاقوں کی پہچان کا نام ہے۔ جیسے آج بھی ہم مشرق و مغرب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ مشرق کو مغرب کے لئے اور مغرب کو مشرق کے لئے مفاسد قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۴) تصوف یا روحانیت اسلام کا ایک نا قابل شکست جوہر ہے جو ہر دم مسلم و غیر مسلم معاشروں میں رواں رہتا ہے۔ یہ جسمِ انسانی میں خون کی طرح دوڑنے والا عمل ہے جو انسانی معاشروں میں دوڑتا ہے۔ یہ مفاسد اسلام نہیں بلکہ مقاصد اسلام کا خفیہ و رواں جوہر ہے۔ مسلمانوں ہی میں سے ایک طبقہ روحانیت و تصوف کو مفاسد اسلام قراد دیتا ہے۔ اسلام میں اس کا آغاز غار حرا سے ہوا۔ جبکہ جدید مغربی مادیت پورے مذہب کو روحانیت قرار دے کر مسترد کر چکی ہے۔ حالانکہ مسلم تاریخ اور یورپی تاریخ میں روحانیت فیصلہ کن عامل رہی ہے۔ نتائج کی بحث ایک الگ نوعیت ہے کہ کونسا جوہر کس وقت نتائج دیتا ہے اور کس وقت نہیں دیتا۔ فقہ نے مسلمانوں میں زندگی گزارنے کے طور طریقے سامنے لائے اور روحانیت و تصوف میں فقہی طور طریقوں پر چلنے والوں کے لئے مزید آسانیاں پیدا کرنے کی روحانی راہیں پیدا کیں۔ ٹکراؤ کہیں نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں میں فقہی عمل رُکا اور معاشرہ نے قانون میں اور راہیں تلاش کر لیں تو تصوف و روحانیت کا انداز بھی بدل گیا جس طرح فقہ بے اثر ہو گیا بظاہر تصوف و روحانیت کا نتیجہ بھی نمایاں نہ رہا مگر فقہ و روحانیت کو مفاسد اسلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

Marfat.com

جہاں تک تصوف و روحانیت کو ہندو روحانیت، بدھ روحانیت، مسیحی روحانیت، عجمی روحانیت، چینی روحانیت اور ہندوستانی روحانیت کا نتیجہ قرار دے کر اسے مفاسد اسلام کے تحت لانے کا معاملہ ہے تو یہ بات محض نہ سمجھنے سے ہے۔ آپ ﷺ کا واضع ارشاد ہے کہ میں وہی اسلام لایا ہوں جو اس سے قبل سب انبیاء لاتے رہے ہیں۔ تو سوال پیدا ہوگا کہ پھر نئی کیا بات ہے۔ دراصل اسلام کا پیغام ہر نبی لایا ہے۔ اُس کی تکمیل آپ ﷺ کی نبوّت میں آئی اور یہی آپ ﷺ کی شان ہے۔ آپ ﷺ نے خدا کی واحدنیت و یکتائی کو جس طرح بیان کیا۔ اس طرح کا مظاہرہ پہلے نہ تھا۔ وہ اس لئے کہ حضرت انسان پہلے اتنا باشعور نہ تھا جب انسان شعور کی ایک خاص سطح پر پہنچا تو پہلے آنے والے نبیوں سے زیادہ باشعور پیغام لانے والا بھی بھیج دیا گیا۔ اس طرح روحانیت زندگی کا حصّہ ہے۔ یہ پہلے بھی انبیاء بیان فرماتے رہے۔ اُس کے اثرات بھی انسانوں پر تھے۔ روحانیت کے طور طریقے بھی مروج تھے۔ آپ ﷺ نے روحانیت کے میدان میں بھی توحید کو خالص کیا۔ اسی روحانیت سے انسان نے پہلے بھی بہت سے اسرار دیکھے ہوں گے مگر ان اسرار سے جس طرح اسلامی تصوّف و روحانیت کے ذریعے پردہ اُٹھتا ہے۔ اس کی مثال اپنی آپ ہے۔ جس طرح نبوّت کی تکمیل آپ ﷺ کے ذریعے ہوئی۔ اسی طرح روحانیت کی تکمیل بھی ہوئی ہے۔ فلسفہ کی اصطلاح استعمال کی جائے تو تصوّف و روحانیت دراصل اسلام کا جوہری فلسفہ بھی شمار ہوتا ہے۔

خلوت گزینی ہر مذہب کے تصوّف و روحانیت کا بنیادی اصول ہے۔ یہ ہمہ گیر اصول ہے۔ ہر مذہب کی روحانیت خدا کو ہی تلاش کرنے کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ کو بھی غار حرا کی خلوت گزینی میں نبوت ملی۔ گویا روحانی سفر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ یہ سب کا میدان نہیں ہے۔ جس روحانیت کا آغاز آپ ﷺ نے غار حرا سے کیا۔ وہ دنیا میں پہلے سے موجود تمام روحانی

Marfat.com

طریقوں وسلسلوں سے قطعی مختلف اور خالص تھا۔

(۵) فلسفہ تنظیم علم ہے۔ البتہ اسے محدود معنوں میں تنظیم کا علم کہہ سکتے ہیں اور اُسے منطق بھی کہتے ہیں۔ فلسفہ تنظیم علم ہو یا محض کوئی علم، کسی صورت مفاسد اسلام کے زمرے میں نہیں آتا۔ اسلام بذات خود علم سے آغاز کرتا ہے اور علم پر اختتام کرتا ہے۔ دنیا میں موجو ہر انسان کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا جواب اسلام میں موجود ہے۔ یہ خدا کی طرف سے انسان کو نیا علمی وشعوری تحفہ ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ علم پہلے نہ تھا یا انسان سوچتا نہ تھا۔ یونانی فلسفہ اور ہندو فلسفہ اس کے واضح ثبوت ہیں۔ جان لاک کہتا ہے کہ انسان کے پاس ایک کسوٹی ہے جس کی مدد سے وہ صداقت ومظہر میں امتیاز کرسکتا ہے اور ڈیوڈ ہیوم کہتا ہے کہ ہمارے لئے کسی ایسی چیز کا تصور کرنا ممکن نہیں جو قبل ازیں ہمارے خارجی یا باطنی حواس کے ذریعے ہمارے تجربہ میں نہ آئی ہو۔

(۶) سائنس انسان کی حسی وعقلی جستجو اور مشاہدے کا نام ہے۔ انسانی علم کے حصول کی نئی اور تازہ جہت ہے۔ اسے مفاسد اسلام میں شمار کرنا اس لئے درست نہ ہوگا کہ سائنس علمی جہت کی جستجو اور مشاہدہ کا آغاز مسلمان سائنسدانوں سے کیا تھا۔ یہ جستجو ومحنت مسلم سائنسدان بوجوہ جاری نہ رکھ سکے اور عصر حاضر کے مغربی دانشوروں نے اپنے ملکی وسائل سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس علمی جہت کو ترقی دی ہے تو اسے مفاسد اسلام قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہر علم کا بنیادی آلہ تو بہرحال حضرت انسان ہے اور جستجو کا ہر پہلو، ہر رنگ اور ہر جہت انسان کی حرکت کے ہی تابع ہے۔ دوسرا آپ ﷺ کا مدعا ومقصد حضرت انسان کو زیادہ سے زیادہ اگاہی اور شعور دینا تھا۔ اس اگاہی وشعور کا مرکز اعلیٰ ایک خدا کا تصور تھا۔ یہی قرآن حکیم کا مدعا ہے اور حضرت انسان تجربہ ومشاہدہ سے اس کائنات کی تخلیق وتحقیق کار کی جستجو کا نام ہے۔ مورس بوکائے کی یہی تحقیق ہے کہ قرآن حکیم کی کوئی آیت ایسی نہیں ملی

Marfat.com

جو موجودہ سائنسی میکانزم سے متعارض ہو۔

(۷) سیاست یا سیاست جدیدہ نے انسان کو معاشرتی نظم کے نئے طریقے دیئے ہیں۔ انسان جس جگہ اور جس معاشرے میں رہتا ہے اُس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ معاشرتی تنظیم کا شریک کار رہے اور معاشرے کو خوف وغم اور دہشت و جبر سے نجات دلاتا رہے۔ اسی عمل کو سیاست کہا گیا ہے اور موجودہ دور میں اسے سیاست جدیدہ بھی کہتے ہیں۔ معاشرتی تنظیم کو موثر بنانے کے اہل دانش وفکر، فکری یا عملی لائحہ عمل دیتے رہتے ہیں۔ اسی کو عمرانی فلسفہ کہا گیا ہے۔ مغرب کے جدید عمرانی فلسفیوں نے مسلم مورخ ابن خلدون کو عمرانیات کا بانی تسلیم کیا ہے مگر ہمارے نزدیک جدید عمرانی فلسفہ کی بنیاد آپ ﷺ نے ''میثاق مدینہ'' کی صورت میں رکھی تھی۔ خلافت اگر جمہوریت تک پہنچی ہے تو اس کا آغاز بھی ''میثاق مدینہ'' ہے۔ سب مذاہب، سب نسلیں اور کئی زبانیں بولنے والوں کو ایک معاشرے میں مل جل کر رہنے کا طریقہ بھی ''میثاق مدینہ'' ہی ہے۔ سیکولریزم کی سب سے عمدہ مثال تاریخ میں ''میثاق مدینہ'' ہے۔ مغرب نے سیکولریزم کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ جدید مسلم ادب نے سیکولریزم کو اُس کے اصل معنی رواداری سے آگے مذہب مخالف زمرے میں لیا ہے اور اپنے آپ کو تذبذب میں ڈالا ہے۔ مغرب میں سیکولریزم کی اصطلاح تو بہت پہلے استعمال ہوئی تھی ایسی صورت میں وہاں مسیحیت یہودیت ختم ہو جاتیں مگر ایسا تو نہ ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رواداری کے معنوں میں ہے کہ مخلوط معاشرہ میں ہر شخص کو اپنے مذہب پر چلنے کا حق ہے۔ لیکن اس طرح تجاوز نہ کرے کہ معاشرتی تنظیم کو نقصان پہنچے اور ایک ہی مذہب کو ماننے والے معاشرے میں ایک فرقہ اس طرح تجاوز نہ کرے کہ معاشرتی تنظیم کو نقصان پہنچے۔ اسی معاشرتی تنظیم کو بچانے کے لئے آپ ﷺ نے ''میثاق مدینہ'' قائم کیا جس میں مشرکوں سمیت تمام مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ ''میثاق مدینہ'' کو جدید

Marfat.com

فلسفہ کہا جائے یا عمرانیات یعنی معاشرتی تنظیم کو جدید فلسفہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور اسے مفاسد اسلام قرار دے کر کیا ہم اپنے جوہر سے فرار کا راستہ اختیار نہیں کر رہے ہیں؟

(۸) معیشت یا معیشت جدیدہ یا اقتصادیات مفاسد اسلام میں سے ہے۔ یہ فتویٰ جات ایسے ہیں جو موجودہ مسلمانوں کو مفلس، مسکین اور غلام رکھنے میں موثر ثابت ہوتے ہیں اور مخالف قوموں کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ موجودہ اقتصادی نظام ایک انتہائی پیچیدہ نظام ہے لیکن مال و دولت کی یہی تنظیم ہے۔ اسی کو اقتصادی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ انسان کا مال و دولت سے گہرا تعلق ہے۔ اسی نے افلاس آیا ہے اور اسی سے نجات ملتی ہے۔ اقتصادی فلسفہ بلاشبہ ایک مشکل اور پیچیدہ تنظیم اختیار کر گیا ہے اور بعض اوقات یہ ایجاد کرنے والے کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ مسلم شعور نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی اور نہ اپنے اقتصادی نظام کو ترقی دے سکے۔ نتیجتاً مسلم دنیا معاشرے کی اقتصادی تنظیم میں بھی مفلس اور تنگ دست ہے۔ آپ ﷺ نے اقتصادی جاری تنظیم میں جوہری تبدیلی کی اور اُسے زیادہ انسان دوست بنانے پر زور دیا جس میں اہم ترین دو باتیں تھیں۔ پہلی یہ کہ حلال و حرام کا معیار و میزان قائم کیا۔ دوسرا انسان دوست بنانے کے لئے سود کو انسان کے استحصال کے لئے استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دہ باتیں اسلامی اقتصادی تنظیم کی بنیادیں ہیں۔ ان کی بنیاد پر آگے بڑھ کر موجودہ اقتصادی نظام کی اصلاح و تہذیب ممکن ہے۔ آخری سالوں میں اس پر کام ایک اہم پیش رفت ہے۔ اسے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اسلام ایک فلسفہ ہے؟

اسلام ایک فلسفہ ہے۔ تحقیق و تخلیق کا فلسفہ ہے۔ رابطہ و تنظیم کا فلسفہ ہے۔ فکر و علم کا

Marfat.com

فلسفہ ہے۔زبان وحرف کا فلسفہ ہے۔زمین کا فلسفہ ہے۔آسمان کا فلسفہ ہے۔غرض کائنات کا فلسفہ ہے۔ اسلام کی یہی طاقت ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر جہت میں ایک واضح، منظم اور انقلاب انگیز رُخ دیتا ہے۔ یوں یہ فلسفہ کی اصطلاح کے کسی طور مغائر نہیں ہے۔ غالباً فلسفہ کا لفظ قرآن کے نظم سے متاثر لفظ ہے۔ جو قرآن میں مفہوم کے لحاظ سے کئی دوسرے الفاظ سے عیاں ہے۔

اسلام میں ایمانیات ایک فلسفہ ہے۔

اسلام میں ارکانیات ایک فلسفہ ہے۔

اسلام میں معاملات ایک فلسفہ ہے۔

اسلام میں نبوت ایک فلسفہ ہے۔

اسلام میں علم الکلام ایک فلسفہ ہے۔

اسلام میں روحانیت ایک فلسفہ ہے۔

ان تمام عنوانات پر کم وبیش سابقہ سطور میں بات ہو چکی ہے۔ اسلام ایک فلسفہ ہے۔ اس پر بحث وتکرار کا مقصد یہ قطعاً نہیں کہ اسلام کو فلسفہ کا نام دے دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے۔ کہ فلسفہ ایک تنظیم علمی کا نام ہے۔ اُسے اسلام کے مخالف رکھ کر نہ دیکھا جائے۔ اسلام ایک تنظیم علمی ہے۔ علم کی ہر شاخ اسلام سے مستعار ہے۔ ہر شاخ کو الگ علمی فلسفہ قرار دیا جائے تو اس سے اسلام کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ فلسفہ اگر قرآنی اصطلاح نہیں ہے تو اُس سے الگ بھی نہیں ہے اور اگر یہ انسانی اصطلاح ہے تو بھی حرج نہیں ہے۔ انسان کو اپنی زبان اور اپنے لفظوں میں بات کرنے کا حق ہے اور یہی حق واختیار دینے کے لئے پیغمبرانہ نظام قائم کیا گیا۔ آج انسان ایک خاص مقام شعور کو چھو رہا ہے۔ یہ سب پیغمبرانہ سعی کا نتیجہ ہے۔ اسی نتیجہ کو مزید بارآور کرنے کے لئے نبی آخر محمد ﷺ کو بھیجا گیا اور اس پیغمبرانہ نظام کو تکمیلِ فکر انسانی کی بنیاد قرار دیا گیا۔ قرآن کے حرف حرف سے ایک نہیں، کئی فلسفے جنم لیتے ہیں۔ یہ فلسفہ انسان پر کُھلتا ہے۔ اور انسان کے لئے کُھلتا ہے۔ جوں جوں زندگی آگے بڑھ رہی ہے۔

Marfat.com

اُسی تناسب سے حروف قرآن اور آپ ﷺ کے ظہور کے اسرار بھی کُھل رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی ہر بات میں ایک حکمت ہے۔ اور قرآن کے ہر حرف میں ایک پیغام ہے۔ دن بدن حکمت سے پردے اُٹھ رہے ہیں اور ہر حرف کا معنی و فلسفہ واضح ہو رہا ہے۔ اس حکمت سے پردہ اٹھانے کی ذمہ داری انسان پر عائد ہوتی ہے۔ اور قرآن کے ہر حرف کا مقصود فلاح انسان ہے اور یہی انسان اس میں مخاطب بھی ہے۔ اور یہی انسان اپنی عقلی استعداد سے، اپنی حرفی زبان کے ذریعے اور اُس زبان کی جامع اصطلاحوں کے مطابق آپ ﷺ کی حکمت اور قرآن کے حروف کے معنوں کو پانے کی جستجو جاری رکھے گا۔

علامہ اقبال کا فلسفہ اسلام:

اقبال غالباً وہ واحد مسلم مفکر و فلسفی ہیں:

۱۔ جنہوں نے فقہی جمود کو جدید فکر کی حرکت سے وقت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا ولولہ تازہ دیا۔

۲۔ دوسرا انہوں نے پوری شدومد سے اسلامی فکر کو جدید فلسفیانہ اسلوب میں بیان کر کے عصر حاضر کے حسی و عقلی افکار کے ساتھ تقابل کیا اسلام کا فلسفہ دشمن ہونے سے انکار کیا۔ اور عقلی استدلال کو اسلام کا آلہ قرار دیا۔

زیر نظر سطور میں ہمارے زیر بحث دوسرا پہلو رہے گا۔ محمد رفیع الدین نے علامہ اقبال کے فلسفہ کو اسلام کا فلسفہ یوں باور کیا:

> ''وہ ''خاتم الانبیاء'' جنہوں نے نوع انسان کو حقیقت کائنات کا کامل تصور عطا کیا ہے۔ جناب محمد ﷺ ہیں۔ وہ فلسفی جس نے علمی حقائق کی ترقیوں کے دور میں سب سے پہلے اپنے فلسفہ کی بنیاد نبوّت کاملہ کے عطا کیے ہوئے کامل تصور حقیقت پر رکھی ہے۔ اقبال ہے اور وہ فلسفہ جو اس دور کے علمی حقائق کو کامل تصور حقیقت کی

Marfat.com

بنیادوں پر منظم کرتا ہے، فلسفہ خودی ہے۔''(۱۰)

اقبال نے آپ ﷺ کی نبوت کاملہ سے جو پایا اور قرآن حکیم و فرقان حمید سے جو اخذ کیا اُسے ایک فلسفیانہ اصطلاح ''خودی'' کا نام دیا گویا اقبال نے اسلام کو ایک فلسفیانہ لفظ ''خودی'' کے تحت بیان کر کے دنیا پر یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ایک منظم و منضبط علم کا نام ہے۔ علم جدید کا اسلوب و طریق یہ ہے کہ اُس نے علم کو تقسیم کیا اور کئی شاخوں کو الگ الگ بیان کرنے کا طریقہ اپنایا ہے۔ علم کی شاخ کو الگ سے منظم کیا۔ مختلف شاخوں کے ربط کا اہتمام کیا۔ ہر شاخ کو ایک نئی علمی اصطلاح دی۔ وہی علمی اصطلاح دراصل اُس علمی شاخ کا نام ہے۔ یہ اصطلاح اُس شاخ کے تحت آنے والے علم کی تنظیم کو بھی اُجاگر کرتی ہے۔ اور پھر یہ تنظیم ایک منظم صورت اختیار کرتی ہے تو اُسے اُس شاخ علم کا فلسفہ کہا جاتا ہے۔

اقبال کے ہاں فلسفہ کی تنظیم آزادانہ تحقیق کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ آزاد تحقیق کا محرک حضرت انسان ہے۔ وحی کا ظہور پہلے سے متعین اہداف و تنظیم کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن ان اہداف و تنظیم کی صورت گری کو بھی انسان ہی سامنے لاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وحی ایک ناقابل تبدیل تنظیم ہے اور فلسفہ معرض ارتقاء میں رہتا ہے۔ یہی دراصل فلسفہ کی طاقت ہے اور انسانی علم کا ارتقاء ہے۔

اک جنوں ہے کہ با شعور بھی ہے
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں (اقبال)

اقبال نے صحو کی تائید کی اور جنوں باشعور قرار دیا جبکہ سکر کو جنون بے شعور قرار دیا۔ سکر میں انسان اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں مدغم کر کے مٹا دینے کا آرزومند رہتا ہے اور باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی سعی سے کنارہ کشی کرتا ہے۔ خدا کی ہستی میں مٹ جانے کی آس سے زیادہ پُرلطف اور کوئی اُمید ہو نہیں سکتی لیکن تخلیق انسان اور ظہور انبیاء کا نصب العین باقی رہنے اور آگے بڑھنے میں مضمر ہے۔

صحو خودی ہے۔ صحو شعور ہے۔ صحو خود شعوری ہے۔ صحو ہوش مندی ہے۔ صحو صفات خدا

Marfat.com

وندی کو انسان کا نصب العین بنانا ہے۔ قربت خدا شرط ہے صحو ہو یا سکر۔ یہ قربت ہی ہے کہ کوئی وصل کو تڑپتا ہے اور کوئی ہجر سے لطف اُٹھاتا ہے۔ خودی، شعور، خودشعوری اور ہوش مندی جہاں عالم شناسی ہے وہاں خودشناسی کی آرزو کی شدت بھی ہے۔ بایزید بسطامیؒ کا موقف ہے کہ باشعور قربت خدا ایک بات ہے۔ خدا کی ذات سے الگ شعور ہی تو خدا اور بندے کے درمیان بڑا حجاب ہے جبکہ جنیدؒ اسر مستی یا مجذوبی سے باشعور قربت خدا کو بہتر سمجھتے ہیں۔

فلسفہ کی جدید مسلم روایت:

گزشتہ سطور میں ابتدائی مسلم دور میں یونانی عقلیت کے تناظر میں اٹھنے والے طبقات کا تذکرہ تھا۔ جدید مسلم روایت میں بات عقلیت سے آگے حسیت تک آ پہنچی ہے۔ سائنس کی ایجادات انسانی عقل کا نتیجہ ہیں مگر عقل انسانی خود بھی حیران ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ انسانی زندگی میں سہولتوں نے عقل و سائنس کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اب انسان عقل و سائنس سے اوپر کا سفر اختیار کر چکا ہے۔

علم حجاب ہٹانے (Unveiling) کا نام ہے۔ وحی، الہام، عقل اور سائنس کا یہی مقصد و مدعا ہے۔ انسانی عقل اب کشف و نور کو جاننے پر کمر بستہ ہے۔ حس و عقل سے اوپر کشف و وجدان کی منازل کو عقل و حس سے الگ نہیں کیا جاتا لیکن درجات پائے جاتے ہیں۔ حقیقت راز کی یہ منازل دراصل ہر منزل پر حجاب کے ہٹانے کا باعث ہیں۔

مسلم ادب میں اقبال موجودہ عہد کا بڑا فلسفی ہے جس نے وقت کو محور بنایا اور مسلم ادب، مغربی تہذیب، فلسفہ و سائنس کے عقلی تمدن کے اثرات کو جانچا اور ان کو یکجا کر کے عقل کلی اور عقل جزوی کے امتیاز کو باور کیا۔

بقائے عقل فعال ابن رشد نے معلم اول ارسطو کی پیروی میں عقل کی حدود و درجوں کے ضمن میں ایک عقیدہ وضع کیا۔ اس کے اثرات جدید دور میں بھی سامنے آئے۔ عقل فعال ایک کائناتی عقل کے طور پر مستعمل ہوئی یعنی یہ گویا ایک شئے بسیط ہے اور کلی ہے اور غیر فانی

Marfat.com

ہے۔ اس لحاظ سے یہ انسان سے اوپر اٹھ جاتی ہے کیونکہ انسان فانی ہے۔ اور وہ حواس، عقل اور کشف کے ذریعہ ارتقائی منازل طے کر کے کسی نتیجہ پر پہنچتی ہے جسے نہ بسیط، نہ کلی اور نہ غیر فانی کہا جا سکتا ہے۔ ابن رشد کے وضع کردہ اس عقیدہ سے علامہ اقبال نے بھی اختلاف کیا ہے۔ امام غزالیؒ اور اشعری نقطہ نگاہ کو اسلام کے قریب قرار دیا۔ ابن رشد کے اس تصور کے بارے میں اقبال کے الفاظ یہ ہیں:

> ''میری رائے میں اس تصوّر کے سرتاسر خلاف ہے جو قرآن پاک نے نفسانسانی (انسان کی ذات، خودی) کی قدرو قیمت اور مقصود و منتہا کے بارے میں قائم کیا۔'' (۱۱)

اقبال نے انہی سطور میں امام غزالیؒ اور جرمنی کے مفکر کانٹ کے نقطہ نگاہ میں عقلیت اور مذہبی عقائد کے حوالے سے یکسانی تلاش کی۔ البتہ یہ تسلیم کیا کہ امام غزالیؒ عقل و فکر کی نارساء کو جان لینے کے بعد صوفیانہ واردات سے یہ اخذ کرنے میں کامیاب ہوگے کہ مذہب سائنس و عقل سے الگ آزادرہ کر بھی ذات الٰہی کا ادراک کر سکتا ہے۔ البتہ کانٹ نے یہ تسلیم نہیں کیا۔ اقبال نے امام غزالیؒ کے اس نقطہ نگاہ سے اتفاق نہیں کیا کہ عقل و فکر اور وجدان میں حد فاصل ہے۔ دراصل یہ بات زمانے کے تسلسل کو نظرانداز کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عقل کا ارتقاء زمان مسلسل سے جڑا ہوا ہے۔

اقبال نے لکھا ہے:

> ''فکر (عقل) سے اگر متناہیت اور نارسائی کا اظہار ہوتا ہے اور ہم اس پر نتیجہ ٹھہراتے ہیں تو اس لئے کہ فکر زمان مسلسل سے وابستہ ہے۔'' (۱۲)

اقبال قید زمانی کے باوجود عقل وفکر کو ایک سلسلہ سے تعبیر کرتے ہیں جس کا فہم و ادراک ایک دوسرے کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ ''کل'' اظہار ذات کی شکل ہے۔ اور اُس کے معنی ذاتی تشخص میں نہیں بلکہ وسیع تر ''کل'' میں ہیں جس کے محض پہلو ہیں اور جسے قرآن حکیم نے ''لوح محفوظ'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لوح محفوظ ہی وہ کل ہے جس میں علم کے تمام جملہ

Marfat.com

امکانات پہلے دن سے موجود ہیں۔ البتہ قید زمانی میں یہ متناعی تصورات ایک وحدت کے پہلو ہیں۔ یہ علم کی حرکت ہے جس نے لامتناعی کی موجودگی میں متناعی کو آگے بڑھانے میں ممکن بنا رکھا ہے۔ اقبال نے غزالیؒ اور کانٹ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ عقل وفکر متناہی ومحدود ہیں بلکہ فکر علم کے ہر عمل میں اپنی متناہیت سے تجاوز کرتی ہے۔ اس کے اندر لامتناہیت موجود ہے۔ جو اس کو حرکت پر آمادہ کرتی ہے۔ (۱۳)

سطور بالا میں موضوع کی مناسبت سے عقل وفکر کے الفاظ استعمال کیے گے ہیں جبکہ اقبال نے لفظ ''Thoughts'' استعمال کیا۔ رابرٹ بریفالٹ نے لفظ ''عقل'' کو ''عقلی فکر'' کی اصطلاح دی ہے۔ تاکہ عقل کے پرانے عضوی تصوّر کے برعکس ''عقلیت'' کو فکر کا وصف قرار دیا جائے۔ فکر اپنے اسلوب کار اور اپنے طریق علم میں کم وبیش عقلی ہوتا ہے۔ یہ غیر عقلی کبھی نہیں ہوتا۔ انسان عقل کے بجائے اور کسی قوت دماغی کو استعمال میں نہیں لاتا (۱۴) بریفالٹ لکھتا ہے:

''فکر کی عقلیت ہی از اول تا آخر نسل انسانی کے ارتقاء کا ذریعہ اور موثر سبب ہے۔'' (۱۵)

مولانا رومی نے ''مثنوی'' میں ''عقل کل'' اور ''عقل جزو'' کے تحت عقل کی صورت گری بیان کی ہے:

عقل کل را گفت مازاغ البَصَر عقل جزوی، میکند ہر سو نظر (۱۶)

❀❀❀

Marfat.com

حواشی

۱۔ علامہ محمد اقبال ''تشکیل جدید الہیات اسلامیہ'' بزم اقبال، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱

۲۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، منہاج القرآن، ص ۸

۳۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ایضاً

۴۔ ابن رشد، فصل المقال، ترجمہ عبیداللہ قدسی اقبال اکادمی، اقبال ریولو جنوری ۱۹۴۶ء ص ۱۷

۵۔ ابن رشد، فصل المقال، ترجمہ عبیداللہ قدسی اقبال اکادمی اقبال ریولو جنوری ۱۹۴۶ء ص ۱۸

۶۔ فیروز اللغات، م دض، ص ۱۲۳

۷۔ امام غزالی، ''المنقذ من الضلال''، اردو ترجمہ محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۳ء ص ۱۳۰

۸۔ تہافت الفلاسفہ اور تہافت التہافتہ دونوں کتابیں موجود ہیں۔ مولانا محمد حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ نے انہیں شائع کیا ہے۔

۹۔ زاھد ے حسن جاراللہ تاریخ معتزلہ ترجمہ رئیس احمد جعفری، سعید کمپنی، کراچی ۱۹۴۹ء ص ۵۷

۱۰۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین اقبال ریولو جلد ا نمبر ۲ جولائی ۱۹۴۰ء، ص ۴۸

۱۱۔ علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ بزم اقبال، لاہور، ص ۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۹

۱۳۔ علامہ اقبال "Reconstrution of religiout thoughts" [انگریزی] شیخ محمد اشرف اینڈ سنز لاہور ۱۹۴۴ء، ص ۷

۱۴۔ رابرٹ بریفالٹ ''تشکیل انسانیت'' ترجمہ عبدالمجید سالک، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۴۴ء ص ۴۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۴

۱۶۔ مولانا عبدالسلام خان ''افکار رومی'' مکتبہ جمال حسن، اردو بازار لاہور ص ۴۶ تا ۲۰۲

Marfat.com

دوسرا حصہ

اسلام ایک فلسفہ ہے

گزشتہ سطور میں اسلام اور فلسفہ کے حوالے سے ایک عمومی بات کی گئی ۔ اب ان سطور میں جو بات مدِ نظر ہے اور وہی آج کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ:

ا۔ قرآن مجید عصر جدید میں بھی اُسی طرح رہنمائی کرے جیسے میں اس نے نتائج دیئے ہیں۔

ب۔ قرآن مجید کا مطالعہ عصر جدید میں عصر جدید کے علوم کو نظر انداز کر کے نتیجہ خیز نہیں ہو رہا۔

ج۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے لئے جو اس کے سائنسی طرز کے قواعد وضوابط مقرر ہوتے آرہے ہیں اُن میں جدید علوم کو شامل کیا جائے ۔ ان علوم کو علوم القرآن کہتے ہیں۔

د۔ فلسفہ تنظیم علم ہے۔ اُس کا قرآن مجید سے ٹکراؤ اس لئے نہیں کہ فلسفہ محض انسان کی عقل کو استعمال میں لانے پر زور دیتا ہے اور قرآن مجید تو منبع علم ہونے کے علاوہ مسلسل عقلی غور وفکر پر زور دیتا ہے۔ اگلی سطور میں قریب قریب یہی چاروں سوال مدِ نظر ہیں البتہ ضروری نہ ہوگا کہ مباحث اسی ترتیب سے ہوں مباحث کی ترتیب اپنی ہوگی۔

Marfat.com

دور جدید میں علم نے بے پناہ ترقی کر کے انسان کی آنکھوں سے کئی پردوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ علم کو نئے سرے سے سمجھنے کی داغ بیل پڑی۔ مختلف علوم میں تعلق کی تلاش اور دوستیاں قائم کرنے کی روش پڑی جس کا ایک نتیجہ آفاقی گاؤں (گلوبل ویلج) کا تصور ہے۔ مذہب، سیکولرازم اور کمیونزم کی لڑائی کے بعد یکجائی کا تصور پیدا ہونے لگا ہے۔ مذہب، سائنس اور فلسفہ کے رشتے کا از سرِ نو تعین کا رجحان پیدا ہوا ہے۔

چنانچہ وقت اور فاصلے کی بے رحم موجوں نے مسلم ذہن کو ایک نیا اعتماد دیا ہے۔ مسلم ذہن اپنے آپ اور اپنے مآخذ و مصادر پر اعتماد کرتے ہوئے قرآن، قرآن ہے۔ وحی، وحی ہے۔ فلسفہ، فلسفہ ہے۔ سائنس، سائنس ہے۔ ایک ہی دنیا کے باسی ہیں۔ ایک ہی مقصد کی جستجو رکھتے ہیں کیونکہ سب کی ایک ہی منزل ہے۔ کوئی کسی کا مخالف نہیں ہے بلکہ سب ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ وحی و قرآن خالقِ انسان و کائنات کی طرف سے راہنمائی کے اصول و قواعد ہیں۔ انسان وہ آلہ ہے جو اس رشد و ہدایت کو زمین میں انسانی سفر کی پیچیدہ راہوں سے نکلنے اور آگے بڑھنے کی تجرباتی مشقوں سے گزرتا ہے تو اسے کبھی سائنس اور کبھی فلسفہ کہتے ہیں۔

یونانی فلسفہ:

ابتداً فلسفہ کے معنی و مفہوم کا تعین کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے باوجود کہ ہر شخص کا اپنا ایک فلسفہ ہوتا ہے، لیکن فلسفہ کا معنی و مفہوم کا بنیادی تعین بڑی اہمیت رکھتا ہے جس کے مطابق افلاطون کے ہاں اشیاء کی فطری ماہیت کے لازمی اور ابدی علم کا نام فلسفہ ہے۔ (۱) اور ارسطو کے نزدیک فلسفہ وہ علم ہے کہ جس کا کام یہ دریافت کرنا ہے کہ وجود کی اصل ماہیت اپنی فطرت میں کیا ہے۔ وہ فلاسفی کو تین حصوں میں منقسم کرتا ہے، وجود کی ماہیت کے بارے میں فکری تحقیق و جستجو دوسرا تجرباتی عمل اور تیسرا رومانوی عمل۔ (۲)

فلسفہ انفرادی ذہنی کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے اور فلسفی کے بغیر فلسفہ نہیں ہوتا (۳) اس

Marfat.com

ناطے فلسفی فلسفہ کے معنی ومفہوم کے تعین کی سعی میں شریک ہے کیونکہ ہر شخص کا ایک فلسفہ ہوتا ہے۔(۴) لفظ فلسفہ یونانی الاصل ہے یہ یونانی الفاظ فیلوس (محبت) اور سوفیاء (حکمت) سے مرکب ہے۔ لہٰذا اس کے لغوی معنی محبت اور حکمت کے ہیں اور فلسفی وہ شخص ہوتا ہے جو حکمت ودانشمندی سے نہایت شغف رکھتا ہے۔(۵) فلسفہ زندگی کے کل کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور اپنی غائیت یا اعلیٰ ترین خیر کے معین کرنے کی کوشش کا نام ہے۔(۶) فلسفۂ زندگی فطرت کے ایک جامع نقطۂ نظر کی تلاش کا نام ہے اور اشیاء کی ہمہ گیر توجیہ کی ایک کوشش ہے۔ اسے علوم کا خلاصہ اور تکمیل بھی کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ دنیا کیوں موجود ہے اور جیسی یہ ہے کیسے ہو گئی۔(۷) فلسفہ کل یا کسی جزو کے کل سے تعلق کی ایسی تعبیر ہے جس سے جزو کا مقام واضح ہو۔ فلسفہ مقاصد، حقائق اور قوانین مقاصد ہی کے ذریعے قدر وقیمت حاصل کرتا ہے۔ انسانی آرزوئیں کسی مرکز پر لائی جائیں اور وہ صحت مند شخصیت کے منظم اجزاء بن جائیں۔ یہ فلسفہ کی آرزو ہے۔(۸) فلسفہ سے مراد یہ ٹھہری ہے کہ انسان اشیاء کے علم حاصل کرنے سے پہلے اپنے آپ سے متعلق جانے۔ انسان خود اپنی قوت علم کو پرکھے اور اس کی مدد کا تعین کرے۔(۹) برٹرینڈ رسل نے لکھا ہے کہ میری دانست میں لفظ فلسفہ دینیات اور سائنس کے مابین کوئی چیز ہے۔(۱۰)

فلسفہ کی ایک جہت میں تین اقسام بیان کی جاتی ہیں۔ منطق، طبعیات، مابعد الطبعیات، مجموعی طور پر فلسفہ تمام موجودات کی حقیقت کے علم اور تمام منفرد علوم کے اصولوں پر حاوی ہے۔ اس علم کے ذریعے فلسفی کی روح انسان کی بساط کے مطابق علم حاصل کرتی ہے۔ موجودات طبعیات کے موضوعات ہوتے ہیں یا مابعد الطبعیات کے۔ طبعیات کے تحت چیزیں مادہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جبکہ مابعد الطبعیات مادہ سے بالکل خارج ہیں اور منطق مادے سے بذریعہ تجزیہ حاصل ہوتی ہے۔ منطق کا موضوع صرف ذہن میں موجود ہوتا ہے۔(۱۱)

گویا فلسفہ کے دو رخ ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود نوع انسان کی ہدایت واصلاح اور مسرت وسعادت کا باعث ہے۔ فلسفہ کے ایک رخ کے علمبردار انسان کی تخلیق کی

Marfat.com

اصل غرض وغایت عمل قرار دیتے ہیں۔ عمل کے میدان سے نیکی وبدی کو الگ الگ باور قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے رخ کا حامل گروہ انسان کو صاحب عمل سے زیادہ صاحب عقل مخلوق کی نظر سے دیکھتا ہے اور تہذیب اخلاق کی بجائے تقویم فہم کی کوشش کرتا ہے۔ فلسفہ عقل واستدلال کے ذریعہ کسی چیز کی آخری وانتہائی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ (۱۲) اور فلسفہ اپنی موزوں ترین شکل میں تمام موجودات کی انتہائی ماہیت کو دریافت کرنے کی سعی کا نام ہے۔ (۱۳) غیر متغیر اصول اور علتوں کی تلاش تمام فلسفہ کی بنیاد ہے۔ (۱۴) فلسفہ کی تعریف کی اپنی ایک تاریخ ہے اور تعریف میں ایک ارتقائی تغیر ہے۔ (۱۵) فلسفہ کی نشوونما کے مدارج عقلیت، حسیت اور تنقید ہیں۔ تینوں عملیات کے نظریے ہیں جو اپنے اپنے دور میں اس سوال کا جواب ہیں کہ علم کیا ہے اور کیونکر ممکن ہے؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حقیقت کی ماہیت اولیٰ کیا ہے اور تیسرا اس کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ ان سب کا جواب فلسفہ دور قدیم، فلسفہ دور وسطیٰ اور فلسفہ دور جدید میں عقلیت، حقیقت اور تنقید کے نقطہ نگاہ سے دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ (۱۶) فلسفہ کائنات کو ''من حیث الکل'' سمجھنے کی کوشش کا نام ہے۔ (۱۷) محمد رفیع الدین کے نزدیک ذہنی علم کے تین پہلو ہیں۔ مشاہدات کی بنا پر قوانین قدرت کا علم حاصل کرنا، دوئم۔ اس علم کی بنا قانون قوانین یا حقیقت کائنات کا وجدانی تصور قائم کرنا، سوئم۔ قوانین کائنات کے پورے سلسلہ کو اس کے حلقوں کی ترتیب کے ساتھ اس تصور کے مطابق سمجھنا ہے۔ مشاہدات کی بنا پر علم حاصل کرنا سائنس کے دائرہ کار میں آتا ہے جبکہ دوئم، سوئم سوالات کا تعلق فلسفی سے ہے جو حقیقت کائنات یا قانون قوانین کے تصور کو اس کے حلقوں کی ترتیب کے ساتھ ایک مسلسل زنجیر کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ اس ضمن میں فلسفی اچھا یا برا نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی فلسفی کا تصور کائنات غلط وصحیح ہوسکتا ہے۔ صحیح فلسفہ صحیح تصور کائنات کو استدلال سے ثابت کر کے یقین پیدا کرسکتا ہے جبکہ غلط فلسفی غلط تصور کائنات کو ایک مسلسل زنجیر کی مانند استدلال سے ثابت نہ کرنے کی بنا پر یقین پیدا نہیں کرسکتا۔ جبکہ صحیح فلسفہ کائنات انسان کی ضرورت ہے۔ فلسفہ کا تصور اگر سائنس کے محض کسی محدود تصور پر مبنی ہوگا تو غلط رخ اختیار کرے

Marfat.com

گا اور بے یقین ہو جائے گا۔ (۱۸) صحیح فلسفہ، فلسفہ نبوت ہے۔ فلسفہ نبوت کی بنیاد کائنات کے ایک تصور پر ہے۔ اس کے اندر ایک قوت استدلال موجود ہے جو حقائق قرآنیہ کی تفصیلات و جزئیات کے علم کی ترقی سے آشکارا ہو رہا ہے۔ حقائق کا یہی عقلی تعلق یا استدلال ہے جو صحیح ہے کیونکہ یہی ہے جو کائنات کے صحیح تصور پر مبنی ہے۔ (۱۹)

فلسفہ، عقل کا نتیجہ فکر:

حس اور عقل انسان کے بنیادی و اساسی آلہ جات یا ہتھیار ہیں۔ مشاہدہ و کشف (وجدان) حرکت و یقین کا داعیہ ہیں۔ عقل، کشف اور یقین فلسفہ کے ذیل میں یہاں زیر بحث آئیں گے۔ عقل کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کا جواب یونانی فلسفہ کی بنیاد و پس منظر میں الہامی ادب اور علم جدید میں بھی بھرپور طریقے سے زیر بحث رہا ہے۔ اسی علمی ارتقاء اور بحث و جدل کے نتیجہ میں اسلامی فلسفہ اور جدید فلسفہ معرض وجود میں آئے۔ فلسفہ یونان خالصتاً انسان کا عقلی فلسفہ لگتا ہے یہ الگ بات ہے کہ انسان کے علمی ارتقاء کا ایک خصوصی پس منظر ہوتا ہے۔ اسلامی فلسفہ یا اسلامی عقلیت کا امتیاز یہ ہے کہ اسلامی فلسفیوں نے قرآن، حدیث اور مسلم تہذیبی ارتقاء کو بنیاد بنایا ہے اور اس کا رُخ وارتقاء زیادہ تر روحانیت اور کشف و وجدان کی طرف رکھا ہے اور اس کا یہ تاثر فلسفہ جدید کے دور میں بھی مدھم نہیں ہوا۔ جدید مغربی فلسفہ کی اساس و بنیاد مادہ پر رکھ کر حس اور پھر عقل کو آگے بڑھایا گیا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ نتیجہ کے حوالے سے یہ کامیاب تجربہ ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی عقلیت کی بنیاد پر نتیجہ کے حوالے سے تجربہ کامیاب نہیں رہا ہے نتیجہ کے اعتبار سے یہ حقیقت بڑی واضح ہے۔ اس موضوع کو آگے بڑھانے کے لئے چند سوالات کو قائم کرتے ہوئے بحث کریں گے۔

عقل کیا ہے اور یہ انسان کے عملی ارتقاء میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔

- عقل یونانی
- عقل اسلامی
- عقل جدید

Marfat.com

☆ کشف و وجدان کا عقل سے کتنا تعلق ہے اور علمی ارتقاء میں اس کردار کیا ہے۔

☆ یقین علم و معلومات کب حاصل ہوتی ہے۔ یونانی، اسلامی اور جدید فکر کا نقطہ نگاہ کیا ہے؟

☆ ان سب کا حاصل علم یا حکمت ہے جسے فلسفہ کا نام دیا گیا ہے تو یہ انسان یا مسلمان کے خلاف کیسے ممکن ہے؟

☆ انسان کے اندر ہستی باری تعالیٰ کے احساس کی تصدیق کیا عقل کے ذریعے ممکن ہے؟

مسلم ادب میں عقل پر بحث اور اُس کی حدود و قیود کا تعین یونانی فلاسفہ کے پس منظر میں سامنے آئی عقل کا حاصل فلسفہ ہے۔ استدلالی عقل کا بنیادی نکتہ ہے۔ علم جو عقل و دلیل سے حاصل ہوتا ہے، فلسفہ کہلاتا ہے۔ یونان میں زیادہ تر علم کی بنیاد عقلی استدلال پر رکھی گئی۔ نئے سوالات پیدا کیے گے اور نئی اصطلاحیں وضع کی گئیں اور فلسفہ ایک مجرد علم کا روپ بھی دھارنے لگا۔

اسی پس منظر میں یہ اسلام کے ابتدائی علاقے عرب میں داخل ہوا۔ علمی ارتقاء کا یہ ایک موڑ ہے۔ ہماری یہ بحث ایک طرف ہے کہ فلسفہ یونان، عقل اور قرآن میں کوئی رابطہ ممکن ہے کہ نہیں ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ علم کی تاریخ اور ارتقاء میں یہ انتہائی اہم موڑ ہے۔ مسلم اُمت کو ایک نئے علمی منہاج اور نئے علم سے روشناس کرایا گیا۔ لوح محفوظ سے ایک خاص اور مکمل علم کے فلسفہ سے آگاہ کیا گیا۔ علم کے پھیلاؤ اور اُس کی پختگی میں یہ فیصلہ کن قدم تھا۔

یہ سمجھ لینا درست سوچ کی عکاسی نہیں ہے کہ علم نے ماقبل اسلام کوئی ترقی نہیں کی۔ بنیادی بات انسان کو معلومات دے کر اُسے باشعور بنانا ہے اور یہ عمل مسلسل ہوا ہے۔ یک دم ہوا نہ ہوگا۔ سابقہ انبیاء کا فریضہ بھی یہی تھا کہ انسان کو معلومات دے کر آگے بڑھنے کی انسانی کوششوں میں رہنمائی میسر رہے۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں علمی ترقی و ارتقاء کا نام دیا جاتا ہے۔ مسلم ادب میں یونانی فلاسفہ کا اسلوب بحث داخل ہوا تو تین طبقات نے جنم لیا:

ا۔ مفسر، حدیث اور فقہیہ، ان کی اول و آخر بنیاد و فکر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اور قرآن تھے۔ قرآن و حدیث مبارکہ کی بنیاد پر عقل و شعور کو استعمال کر کے اخذ و

Marfat.com

استنباط کرنا اور قانون و احکام وضع کرنا۔ اسے فقہ کا نام دیا گیا۔ اسے سارے عمل میں انسان، اُس کی سوچ، اسکی عقل اور اخذ و استنباط کی صلاحیت شامل ہوتی تھی۔ تفسیر، تشریح احادیث اور تدوین فقہ میں انسان اور اُس کی عقل کارفرما ہوتی ہے مگر وہ دائرے کے اندر پابند ہوتی ہے۔

ب۔ دوسرا طبقہ جس نے جنم لیا، متکلمین کا تھا۔ یہ طبقہ عقل و استدلال کا آلہ استعمال کرتا تھا۔ بلکہ یہ یونانی اسلوب فلسفہ کے مقابل مسلم اسلوب فلسفہ کے طور پر ظہور پذیر ہوا تھا۔ اہل کلام فلاسفہ کا امتیاز یہ تھا کہ وہ اپنی رائے دلیل کی تائید و حمایت میں قرآن و حدیث سے رجوع کرتے تھے۔ ذات خداوندی، صفات خداوندی، تخلیق کائنات انسان وغیرہ جو مذہب، علم الکلام، فلسفہ اور سائنس کے بنیادی سوالات ہیں، کے لئے قرآن و حدیث سے دلیل لاتے تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ فلسفہ یونان کے مقابل مسلم ادب میں عقلی بنیادوں پر ایک نئے علم کی بنیاد تھی۔

ج۔ تیسرا طبقہ مسلم فلسفی کا تھا۔ مسلم فلسفی کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم، احادیث پاک اور مسلم روایت علم کو اپنے اندر جذب کرتا تھا۔ اُس کا اسلوب یونانی تھا یا محض عقلی تھا۔ مسلم فلسفی یہ ضروری نہیں سمجھتا تھا کہ قرآن و حدیث کے باقاعدہ حوالے دے بلکہ وہ سب کچھ اُن کے داخل کے اندر ہوتا تھا۔ اُس کا اظہار باقاعدہ فکر، فلسفیانہ اصطلاحوں اور عقلی استدلال میں ہوتا تھا۔ مسلم فلسفی کو یہ فخر تھا کہ یونانی فلسفیانہ علم سے کماحقہ آگاہ ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ مسلم فلسفہ کی روایت توحید رہی ہے۔ ''وجود'' دراصل فلسفیانہ ادب کی خشت اول ہے۔ مسلم فلسفی نے ''وجود'' کو توحید کے تناظر میں آگے بڑھایا۔

قرآن کا معنی و مفہوم:

فلسفہ کے معنی و مفہوم کے تعین کے بعد یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ قرآن مجید کی

Marfat.com

نوعیت، حیثیت اور مقام کیا ہے؟ اس کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ قرآن مجید نے ان تمام نکات کی خود وضاحت کی ہے۔ نزول قرآن، مقاصد قرآن اوصاف قرآن اور قرآن من جانب اللہ ہونے کے بارے میں متعدد آیات بیان ہوئی ہیں۔ (۲۰) قرآن مجید کیا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○الَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُونَ الصَّلاۃَ وَمِمَّا رَزَقْنَاھُمْ یُنفِقُونَ○وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَیْکَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِکَ وَبِالآخِرَۃِ ھُمْ یُوقِنُون○أُوْلَـئِکَ عَلَی ھُدًی مِّن رَّبِّہِمْ وَأُوْلَـئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُونَ (البقرہ۲:۲-۵)

ترجمہ: ’’یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔‘‘ (تفہیم القرآن)

مولانا مودودی پہلی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

’’یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی کتابیں امور مابعد الطبعیات اور حقائق ماوراء ادراک سے بحث کرتی ہیں، وہ سب قیاس و گمان پر مبنی ہیں اس لئے خود ان کے مصنف بھی اپنے بیان کے بارے میں شک سے پاک نہیں ہو سکتے۔‘‘

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوا۔

فَقَدْ جَاءَکُم بَیِّنَۃٌ مِّن رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَرَحْمَۃٌ (الانعام۶:۱۵۷)

ترجمہ: ’’سو کچھ شک نہیں کہ تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔‘‘

Marfat.com

ارشاد ہوا:

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (البقرۃ ۲:۹۱)

ترجمہ: ''اور وہ (قرآن) حق ہے۔اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔''

مولانا محمد حنیف ندوی کے مطابق عالم انسانیت کا تہذیبی ارتقاء دو راستوں سے ممکن چلا آرہا ہے۔ایک عقل و فرد اور دوسرا وحی و تنزیل۔اور یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پرتو اور انعکاس ہیں۔وحی و تنزیل اور دریافت و یافت کی فکری و عملی کوششوں میں کہیں تضاد و نقص نہیں پایا جاتا۔دونوں میں ہم آہنگی و اتحاد ہے اور دونوں انسان کی فلاح و بہبود کے لئے برابر کوشاں ہیں۔(۲۲)

وحی اس ارادہ الٰہی کا مظہر ہے جو انسانی ذرائع علم کی تاریخ اور اس کے نقص کی تلافی کرتا ہے اور وحی کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ صرف اس سوال کا جواب نہیں کہ حقیقت کیا ہے اور انسان کا اس سے کیا تعلق ہے بلکہ وحی کا علم اس مسئلہ کو بھی حل کرتا ہے کہ انسان کو کائنات کی ماہیت اور کائنات میں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے جس نمونہ پر ڈھلنا چاہے وہ کیسے ڈھل سکتا ہے۔وحی کے علم کا مخاطب انسان ہے۔(۲۳)

قرآن مجید بنیادی طور پر رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت کا صحیفہ ہے مگر دنیا کے تمام علوم کے اصول و مبادی کی طرف بھی توجہ مبذول کراتا ہے۔وحدت الٰہیہ کا اعلان قرآن کا بنیادی مضمون ہے۔اس کی ماورائی شان اور اس کی قدرت کی شان ننانوے اسمائے حسنیٰ سے ظاہر ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم ترین معجزہ ہے جو ذاتِ محمدی ﷺ کی معرفت رونما ہوا ہے۔

قرآن مجید کی علماء کرام نے باقاعدہ تعریف کی ہے۔ان کے نزدیک قرآن مجید سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام، اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر جو نازل ہوا ہے جس کی ایک ایک سورت اپنی جگہ ایک معجزہ ہے جس کی تلاوت عبادت ہے اور جو ہمارے پاس محفوظ ہے اور ایک تواتر سے مصاحف کی شکل میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔(۲۴)

Marfat.com

قرآن غلط وصحیح تصورات کی پہچان کی کسوٹی ہے۔قرآن کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے ہر غلطی کو غلط ثابت کر سکے۔اس کے لئے روح قرآن سے آشناء ہونے کے ساتھ قرآن کی صحیح بصیرت اور قرآن فہمی کا صحیح ذوق ہونا ضروری ہے۔ایسی صورت میں ہر ضرورت کے موقع پر قرآن سے راہنمائی لے سکتے ہیں۔(۲۵)

قرآن بنیادی طور پر فلاسفی نہیں بلکہ مذہبی کتاب ہے لیکن فلسفہ اور مذہب کے تمام مشترکہ مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔دونوں کے مشترکہ مسائل میں خدا، دنیا، فرد اور روح، اور ان کے تعلق جس میں نیکی اور بدی، آزاد ارادہ اور موت شامل ہیں۔ان مسائل پر بحث کے دوران کئی دوسرے موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔جیسے مظاہر، حقیقت، موجودات، تخلیق انسان اور اس کی منزل، سچائی اور جھوٹ، وقت اور فاصلہ، ثبات وتغیر، وجدان اور اخلاقیات شامل ہیں۔قرآن آفاقی سچائی کے اصولوں کے تحت ان کو زیر بحث لاتا ہے۔(۲۶)

قرآن کی صورت ایک اور انداز سے یوں بیان کی گئی ہے:

From begining to end, the Quran speaks to the Prophet or speaks of him. But never does it allow him to express his own thoughts. It is God throughout who expresses Himself, dictates pounces edicts, relates or warns. Time and again we find ourselves reading such phrases as O Prophet, O Messenger we reveal to thee, we sent to thee, transmit this, recite this, do this, do not do that, they will say to thee, answer them and so on. Even where the text does not explicitly has a didactic approach towards the Prophet, for instance in the formula to be recited at prayer, the Fatiha, everything indicates that such an approach is intended. (۲۷)

Marfat.com

فلسفہ کے بارے میں محمد رفیع الدین کا نقطہ نظر:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے فلسفہ کو تین پہلوؤں سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فلسفہ کو فلسفیانہ رنگ میں اپنی کتاب ''آئیڈیالوجی آف دی فیوچر'' میں پیش کیا جبکہ قرآن و حدیث کی رو سے فلسفہ کی تشریح و توضیح ''قرآن اور علم جدید'' میں پیش کی۔ علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کو وہ اسلام کا ایک فلسفہ قرار دیتے ہیں اور ''حکمت اقبال'' میں اسے بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں۔ ''حکمت اقبال'' کے دیباچہ میں اپنی فلسفیانہ تحریروں کو اقبال کے فلسفہ خودی کے مطابق فلسفہ اسلام قرار دیتے ہیں۔ (۲۸)

جب سے حضرت انسان نے کائنات پر غور و فکر کا آغاز کیا ہے۔ اس کے اندر کہیں نہ کہیں یا کسی نہ کسی سطح پر یہ احساس جاگزیں رہا ہے کہ یہ کائنات کثرت کی صورت پیش کرتی ہے لیکن کائنات کی یہ کثرت فی الواقع کسی ایک وحدت میں مل جاتی ہے۔ یہ ایک چیز یا وحدت کیا ہے؟ فلاسفہ و حکماء کا یہ سوال رہا ہے اور یونانی حکماء کے قیاسات بھی اسی خیال کے گرد گھومتے تھے جیسے یونانی فلسفی تھلز (Thealz) کا خیال تھا کہ دنیا پانی سے بنی ہے اور تمام اشیاء پانی ہی کی شکلیں ہیں۔ البتہ حقیقت کائنات سے متعلق قدیم حکمائے یونان کا نظریہ مادی نوعیت کا تھا جو آج کے حکمائے مادین کے نظریات سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ (۲۹)

کائنات کے وحدتی تصور کو اس وقت تقویت حاصل ہوگئی جب مادہ کے اندر زندگی اور شعور کے اوصاف دریافت ہوگئے۔ فلاسفہ و سائنس دان ہمیشہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ مادہ و شعور کو ایک ہی چیز ثابت کیا جائے۔ فلسفیوں کا زیادہ تر نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ مادہ درحقیقت شعور کی ہی صفات کا ایک مظہر ہے جبکہ سائنس دان اس کے برعکس زیادہ تر شعور کو مادہ ہی کی ترقی یافتہ صورت قرار دیتا رہا ہے۔ (۳۰)

ہر فلسفی اپنے استدلال کو حقیقت کائنات کے ایک وجدانی تصور سے شروع کرتا ہے جو اس کے آدرش سے ماخوذ ہوتا ہے۔ فلسفی یہ سمجھتا ہے کہ وہ آزادانہ عقلی طور پر کام کر رہا ہے۔

Marfat.com

حالانکہ اس کا عقلی استدلال اس کے جذبہ کے ماتحت ہوتا ہے اور صحیح نتائج کا دارومدار فلسفی کے صحیح یا غلط پر موقوف ہوتا ہے۔(۳۱)

فلسفہ پوری کائنات کی سائنسی تحقیق کی وہ چوتھی اور آخری منزل ہے جہاں تمام سائنسی کائنات کا سائنسی علم تجربے اور مشاہدے سے گزر کر تنظیم نتائج کے چوتھے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔سائنسی تحقیق مجموعی حیثیت سے آخری درجے پر پہنچتی ہے تو اسے فلسفہ کہتے ہیں۔(۳۲) پہلے تین درجے تجربہ،مشاہدہ اور اخذ نتائج ہیں۔(۳۳) دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"نظریاتی مسلک کی عقلی تفسیر کا نام فلسفہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علوم ثلاثہ یعنی طبیعیات،حیاتیات اور نفسیات کو جو حقائق معلوم ہیں فلسفہ ان کی تعبیر وتشریح کسی مفروضے یا نصب العین کو پیش نظر رکھ کر کرتا ہے۔ تا کہ وہ باہم مربوط ہ ہم آہنگ ہو کر ایک ذہنی نظام کی شکل اختیار کر لیں جن میں کوئی تضاد نہ ہو۔" (۳۴)

محمد رفیع الدین کے نزدیک سائنس دان اور فلسفی میں کوئی فرق نہیں ۔دونوں کا دائرہ کار ایک ہے اور دونوں کی مشاہداتی قوت وجدان ہے ۔سائنس کو اپنی انتہا پر پہنچ کر فلسفہ بنے بغیر چارہ نہیں ورنہ وہ بے معنی ہو جائے گی۔(۳۵) سائنس نیچے سے آغاز کر کے قانون قوانین اور سبب الاسباب کی طرف جانا چاہتی ہے اور فلسفہ سبب الاسباب اور قانون قوانین سے آغاز کر کے نیچے کی طرف آتا ہے۔(۳۶)

رفیع الدین کے نزدیک فلسفہ کے دو پہلو ہیں حق و باطل۔عام فلسفہ کو باطل قرار دے کر مسترد کیا ہے اور شدید تنقید بھی کی ۔محمد رفیع الدین کے نزدیک فلسفہ کے دو پہلو ہیں،حق و باطل، عام فلسفہ کو باطل قرار دے کر مسترد کیا ہے اور شدید تنقید بھی کی۔ان کے نزدیک فلسفہ عقلی وعلمی اور تحقیق و استدلال کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اسلام کو غیر محسوس طریقے سے مٹانے نکلا ہے باطل مذہب تو کھلا دشمن ہے لیکن فلسفہ نام لئے بغیر حملہ کرتا ہے ۔یہ اسلام پر ہمارے یقین واعتقاد کو کھوکھلا کرتا ہے اور اس کا اہم ہتھیار عقل واستدلال ہے ۔اسی ہتھیار کو

Marfat.com

بروئے کار لا کر مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں قابل عمل ہونے کے یقین کو متزلزل کر دیا ہے۔(۳۷) اسے جدید فتنہ ارتداد کا نام دیتے ہیں (۳۸) اور یہ جدید فتنہ ارتداد کے نتائج ہی ہیں کہ ''اسلام اس زمانہ میں نا قابل عمل ہے مذہب ایک ڈھکوسلہ ہے'' کا رویہ پیدا ہوا۔(۳۹) گویا کفر اب فلسفے کے روپ میں مذاہب پر حملہ آور ہوا ہے اور اسلام نے باطل مذہب کے مقابلے میں باطل فلسفہ سے زیادہ نقصان اٹھایا ہے۔(۴۰) فلسفہ باطل کب ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں بیان کرتے ہیں کہ فلسفی ہمیشہ ایک وجدانی تصور قائم کر کے حقائق عالم کی تشریح کرتا ہے۔ جب وجدانی تصور ہی غلط ہو گا تو حقائق عالم کا تجزیہ بھی غلط ہو گا۔ غلط اور صحیح فلسفہ کے استدلال کے معیار یا کسوٹی فلسفی کے تصور کائنات کو قرار دیتے ہیں۔(۴۱) غلط فلسفہ انسانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ وہ انسان کی دو ذہنی ضرورتوں کو تو پورا کرتا ہے یعنی تصور عالم اور پھر استدلال سے ثابت کرنا مگر جس وجدان پر یہ تصور عالم قائم کرتا ہے، وہ غلط ہوتا ہے اس لئے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔(۴۲)

گویا محمد رفیع الدین غلط وجدان پر قائم تصور عالم کو بنیاد بنانے والے فلسفی یا اس کے فلسفے کو اس بنا پر باطل قرار دیتے ہیں کہ وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے جبکہ صحیح وجدان پر قائم فلسفے کو مسترد نہیں کرتے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ انسان کی کائنات سے متعلق ایسی تشریح جس میں خدا، رسالت اور مذہب بنیاد ہو اور علمی تحقیق اور عقلی استدلال پر بھی پوری اترتی ہو اور صداقت دراصل ایسی ہو ہی نہیں سکتی جو علمی تحقیق اور عقلی استدلال پر پوری نہ اترتی ہو۔(۴۳)

وہ علمی حقائق کو باطل کا درست علاج قرار دیتے ہیں۔ علمی حقائق کی ترقی سے غلط فلسفے خود بخود مٹ جاتے ہیں اور صحیح ابھر آتے ہیں۔(۴۴)

عقل اور وجدان:

فلسفہ کیا ہے؟ عقل اور وجدان کا مرکب ہے۔ عقل وحواس کی ایک حد ہے۔ کسی تصور کا مکمل فہم وادراک عقل کا نہیں وجدان کا کام ہے۔ عقل منزل کی نشاندہی کے ساتھ کچھ

Marfat.com

مسافت میں بھی ساتھ دے سکتی ہے لیکن منزل تک جانے کی استعداد نہیں پاتی۔ عقل وجدان کی مددگار ہے تاکہ کل شئے سے واقف ہو جائے۔ عقل وجدان سے ادنی سطح پر ہے، اعلیٰ سطح پر نہیں۔ عقل سے متعلق غلط فہمی نے عقل کو کل کا علم جاننے کا ذریعہ قرار دیا حالانکہ یہ صرف ایک جز کا ادراک کر سکتی ہے۔ محمد رفیع الدین ایک سے زائد مثالوں کے ذریعے وضاحت کرتے ہیں کہ ١٠٠ فیصد درجوں کو بغرض پیمائش لیا جائے تو ٩٨ فیصد تک عقل راہنمائی کر سکتی ہے مگر اس کی مسلمہ علمی حقیقت یا قطعی صداقت تسلیم کرنے میں دو درجے مانع ہیں جو صرف احساس اور وجدان کا کام ہے ورنہ ٩٨ صد بے کار ہو جائے گا، گویا وجدان کا تصدیق کیا جانا ہی کسی حقیقت کا اظہار ہوگا۔(٤٥)

حواس اور عقل دونوں ہمارے وجدان کے مددگار ہیں۔ عقل خود وحدتوں کو نہیں جان سکتی۔ اس کام کے لئے وہ وجدان کو اکساتی ہے۔ وجدان میں غلطی بھی ممکن ہے مگر بغیر غلطی کے بھی وجدان ہی جان سکتا ہے۔ عقل وجدان کی تسلیم شدہ وحدتوں کے تعلق کا باہمی جائزہ بھی لیتی ہے۔ گویا عقل راستہ دکھاتی ہے اور وجدان منزل پر پہنچتا ہے۔(٤٦)

عقل کا وظیفہ یہ ہے کہ وجدان جن وحدتوں کو قبول کر چکا ہوتا ہے، وہ ان کے باہمی تعلق کا جائزہ لے تاکہ اس تعلق کی روشنی میں وجدان ایک اور نامعلوم وحدت کو معلوم کر لے جو ان وحدتوں سے تعلق رکھتی ہو۔ اس لئے وجدان ہر سطح کے انسان کا لازمہ ہے۔ وحدتوں کے جائزہ عمل ترکیب (SYNTHESIES) اور تجزیہ (ANALYSIS) سے لیا جاتا ہے۔(٤٧)

فہم و ادراک خواہش نہیں اور نہ عمل کا تحرک ہے۔ یہ تو گویا خواہش کے لئے کام کرتی ہے، راہنمائی دے سکتی ہے، روک نہیں سکتی ہے۔(٤٨)

عقل دو طریقوں سے وجدان کی مدد کرتی ہے ایک یہ کہ وہ موجودہ آدرش کی خدمت کس طرح کر سکتی ہے اور دوسرے اگر ممکن ہو تو اسے نئے اور بہتر آدرش کے حسن کا احساس کرنے کے لئے اکساتی ہے تاہم عقل محبت کے دائرہ علم میں داخل نہیں ہو سکتی اور کسی تصور حسن کا مشاہدہ نہیں کر سکتی کیونکہ یہ جذبہ حسن یا خد شعوری کا کام ہے۔(٤٩)

Marfat.com

فلسفہ کی تاریخ......ابتدائی دور:

''ہماری تاریخ کا آغاز فلاسفہ یونان سے ہوتا ہے۔ ان کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک یورپی تمدن کے حلقہ میں ایسے مسائل پر گفتگو ہوتی رہی ہے جن کو ہم فلسفیانہ کہتے ہیں۔'' (۵۰)

فلسفہ کی ابتدا پر مختلف آراء ہیں البتہ اس پر اتفاق ہے کہ اس کو عروج یونان سے ملا۔ ایک رائے کے مطابق فلسفہ ایشیائے کوچک سے پہلے اطالیہ میں داخل ہوا اور بہت دیر بعد یونان میں داخل ہوا۔ (۵۱)

''اس کا آغاز کب ہوا۔ اس کا ٹھیک تعین مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک وہ پہلا شخص یا وہ پہلا گروہ اور معاشرہ یقیناً فلسفی تھا جس نے زندگی اور کائنات سے متعلق سوچ سمجھ کر کوئی رائے قائم کی۔ دراصل فلسفہ اس وقت جنم لیتا ہے جب کسی مسلمہ رواج، عقیدہ اور روایات کے بارے میں شکوک پیدا ہونے لگیں اور معاشرہ کے ذہین افراد اذعانیت کیخلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ٹھان لیں۔'' (۵۲)

پروفیسر ماتھر ہندوستانی فلسفہ کو اپنشندوں کے زمانہ تک لے جاتا ہے کہ اس وقت روح تحقیق یہ تھی کہ صداقت یا جوہر آخری آتما ہے۔ اسی کی تلاش ہمارا آخری فرض ہے اور آخر جب ہم اس میں ڈوب جاتے ہیں تب ہی اس صداقت کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اپنشندوں کے کچھ ہی بعد بدھ اور پھر چینی تحقیق کے آثار موجود ہیں گو ان سے متعلق کم مواد ملتا ہے۔ (۵۳) بعض ہندوستانی اور چینی نظامات افکار صاف طور پر ہمیں پتہ دیتے ہیں کہ یہ دینیاتی افکار سے الگ ہیں اور ہم انہیں ان قوموں کا فلسفہ کہہ سکتے ہیں لیکن اشیاء کی نسبت عقلی علم حاصل کرنے کا جذبہ ہندوستانیوں اور چینیوں دونوں کی نسبت یونانیوں میں زیادہ قوی طور پر پیدا ہوا۔ اس لئے ایک مسلسل علمی روایت فقط انہی لوگوں سے ہم تک پہنچتی ہے۔ (۵۴)

Marfat.com

کلیمنٹ کے مطابق ہماری تاریخ (یورپ) کا آغاز فلاسفہ یونان سے ہوتا ہے۔ ان کے زمانہ سے لے کر جدید یورپی تمدن تک ایسے مسائل پر گفتگو ہوتی رہی ہے جن کو ہم فلسفیانہ کہتے ہیں اور اس میں ان نتائج کو ضروری رکھا گیا ہے جن پر یونان کے اکابر فلاسفہ پہنچ چکے تھے۔ (۵۵) فلسفہ یونان کی ترقی میں دو مختلف دور ہیں، پہلے دور میں مبداء اشیا کا مسئلہ ہر طرف چھایا ہوا نظر آتا ہے جس کو تکون کا مسئلہ کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ یونانیوں کو مادی وحدت الوجود اور اطالیوں کو روحانی وحدت الوجود کی طرف لے جاتا ہے جبکہ دوسرے دور میں ''انسان معیار کائنات ہے'' بنیادی فلسفہ بن جاتا ہے۔ (۵۶) بقول خلیفہ عبدالحکیم فلسفہ یعنی مظاہر فطرت اور حیات انسانی کی عقلی توجیہہ یونانیوں میں اس انداز سے پیدا ہوئی کہ کسی دوسری قوم میں اس انداز کی حکمت کا وجود نہیں ملتا۔ (۵۷)

فلسفیانہ موضوعات اور ان پر غور وفکر کا آغاز کائنات اور اس کی حقیقت کی جستجو سے ہوتا ہے۔ پانی، آگ اور ہوا تین مختلف عناصر میں سے کسی ایک کو کائنات کی ابتداء قرار دیا گیا۔ طالیس نے پانی کو، الینکز ائینڈرا نے آگ اور اینکر منز نے ہوا کو کائنات کی ابتداء قرار دیا۔

دوسری صدی میں ایران نے ملطہ پر حملہ کر کے اسے تباہ کیا۔ اس کے قریبی شہر انیس میں فلسفی قلیطوس تھا۔ قلیطوس آگ کو کائنات کا اصلی جوہر کہتا تھا۔ قلیطوس کے سو سال بعد قرطیاوس گزرا جس سے تغیر منسوب ہے، افلاطون اسی کا شاگرد تھا۔ حواس کا ذریعہ ادراک قرطیلوس سے منسوب ہے۔ یہ کسی غیر جسیمی حقیقت کو نہیں مانتے تھے۔ بعد ازاں افلاطون نے سقراط (پیدائش ۴۷۰ ق م ۔ انتقال ۳۹۹ ق م) کی طرف توجہ دی۔ (۵۸) عدالت شجاعت وغیرہ مستقبل اعیان ہیں اور تعریفات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان اعیان کو ظاہر کریں۔ سقراط کے دعوے نے افلاطون کے شکوک رفع کر دے۔ (۵۹) افلاطون کے نزدیک فلسفہ غیر متغیر اور ابدی اعیان کے سمجھنے کا نام ہے اور جن مسائل کے حل کا اس سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے وہ صرف ان ابدی اعیان کے سمجھنے کا نام ہے۔ (۶۰) فیثا غورث ایک مذہبی سوسائٹی کا بانی باور کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ذی روح اشیاء کی عبادت اس کا مذہب نہ تھا۔ جب کہ فیثا غورث کا دوسرا روپ ریاضی اور موسیقی تھا۔ افلاطون دونوں پہلوؤں سے متاثر ہوا مختصر جو رشتہ افلاطون کے نظریہ تصورات کا فیثا غورث کے نظریہ اعداد سے ہے، وہی اس کے نظریہ روح کو فیثا غورث کے بقائے روح اور تناسخ روح کے نظریوں سے ہے۔ (۶۱) اس کے ساتھ افلاطون فلاسفہ کے گروہ ایلیا سے بھی مستفید ہوتا ہے۔ اطالیہ کے شہر ایلیا کا باشندہ پرمینڈیز اس کا بانی تھا۔ جو حرکت کو تسلیم کرنے کے بجائے اسے نظر و حواس کا دھوکہ قرار دیتا تھا۔ (۶۲) افلاطون کا انتقال ۳۴۷ ق م میں ہوا۔ (۶۳)

افلاطون ارسطو دونوں یونانی فلسفی اپنا ایک شہرہ رکھتے ہیں۔ دونوں مختلف انداز فکر سے سوچتے ہیں۔ افلاطون تصورتی ذہانت کا فلسفی ہے اور اشیاء کے بارے میں تجربے سے بھی بہت آگے سوچتا ہے۔ ارسطو اس کے برعکس مشاہدہ اور اختیار کے میدان کا آدمی ہے۔ (۶۴)

سقراط پر ملحد ہونے کا الزام لگتا ہے اور اسے پھانسی کی سزا ملتی ہے۔ لیکن سقراط اس کی تردید کرتا ہے۔ Appology (معذرت) سقراط کے مقدمہ کے حوالے سے تقریر پر مشتمل مکالمہ ہے۔ برٹرینڈ رسل نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ (۶۵)

جبکہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ سقراط فقط ایک خدائے واحد کا قائل تھا جو سراپا عقل و سراپا عدل ہے۔ خدا خیر مطلق ہے اور نفس کے اندر اسی خیر مطلق کے عرفان کا نام نیکی ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ روح جسم میں داخل ہونے اور مادے سے ملوث ہونے سے پہلے بھی موجود تھی اور جس کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گی۔ مزید سقراط کی تعلیمات کو اکتیس نکات میں ملخص کے طور پر بیان کیا ہے۔ (۶۶)

برٹرینڈ رسل، افلاطون اور ارسطو کے متعلق یونانی تاریخ کے تحت لکھتا ہے کہ قدیم قرون وسطیٰ اور جدید فلسفیوں میں سب سے زیادہ با اثر افلاطون اور ارسطو تھے۔ ان دو میں سے افلاطون نے بعد کے زمانے پر بہت اثر ڈالا۔ اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ ارسطو خود افلاطون کا پروردہ ہے دوسرا تیرہویں صدی تک ہر صورت میں مسیحی دینیات اور فلسفہ پر ارسطو

Marfat.com

کی نسبت افلاطون زیادہ غالب رہا۔ (۶۷) افلاطون فلسفہ کو نظارہ حق کی دید قرار دیتا ہے۔ فلسفہ خالص عقلی مظہر نہیں ہے۔ یہ محض دانائی نہیں ہے بلکہ حق و صداقت اور وجود مطلق کا عشق ہے۔ (۶۸) ارسطو کے متعلق برٹرینڈرسل رقمطراز ہے کہ ارسطو یونانی فکر کے تخلیقی عہد کے آخر میں آیا اور دنیا دو ہزار سال تک اس کے پائے کا فلسفی پیدا نہ کر سکی اور ارسطو ایک نا قابل اعتراض سند کے درجے پر فائز رہا اور یہ بات فلسفہ و سائنس کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئی اور سترہویں صدی میں ترقی کے لیے ارسطو کے نظریہ کو رد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ایسا فی الواقع ہوا ہے۔ (۶۹)

فلسفہ کی مسلم تاریخ ...... وسطی دور:

فلسفہ کی ترقی و ترویج کا وسطی دور مسلم دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو کو عربی تراجم میں ڈھال کر مسلم دنیا کو ان فلسفیوں کے کام سے روشناس کرایا گیا۔ برٹرینڈرسل لکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد عرب فتوحات کا وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ ۶۳۴ء میں شام ۶۳۵ء میں ایران، ۶۶۴ء میں ہندوستان اور ۶۶۹ء میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا اور یہ علاقے اسلامی سلطنت میں داخل ہوئے! اسلام کی بنیاد توحید پرستی پر رکھ دی گئی تھی مگر اس میں سادگی تھی، سختی نہ تھی۔ حملوں کے دوران کسی مسیحی، یہودی یا زرتشتی کو جبری مذہب کی تبدیلی سے منع کیا گیا تھا۔ (۷۰) وسعت سلطنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سے نکل کر اسلام دنیا کے وسیع علاقے میں پھیل گیا اور نئی نسلوں نے مختلف سوالات اٹھانے شروع کیے۔ بقول عبدالجبار ڈیز سوال اٹھانے کا یہ رویہ اس متجسسانہ انداز نظر کا نتیجہ تھا جو اسلام کی تہہ میں پہلے سے موجود تھا۔ اگر یہ تجسس نہ ہوتا تو یونانی علوم کے ترجمہ کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی اور جب باہر کی دنیا کے یہ افکار و تصورات اسلام کے بطن کے اندر نفوذ کر گئے تو اس سے مزید غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کا مادہ پیدا ہوا اور مسلمانوں کے دماغوں میں ایک اضطراب کروٹیں لینے لگا۔ (۷۱) دراصل یہی اضطراب مسلم دنیا میں فلسفہ کے غور و ترقی کا سبب بنا۔ عبدالجبار ڈیز کے مطابق:

Marfat.com

''عربوں نے اسلام کے نام پر خانہ آباد ثقافتوں پر غلبہ حاصل کیا اور خود غیر عرب ثقافتوں سے مغلوب ہو گئے۔ ابتدائی ایک ڈیڑھ صدی کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب تہذیب ایک معین شکل اختیار کر رہی تھی۔'' (۷۲)

مسلمانوں میں فلسفہ یونان کی اشاعت و ترویج افلاطون اور ارسطو کی کتابوں کے تراجم کے ذریعے شروع ہوئی جو خلیفہ ابوجعفر منصور سے مامون رشید کے دور تک جاری رہی اور یہ ابونصر الفارابی تھا جس نے ارسطو کی کتابوں کے تراجم کو ایک خاص ترتیب و تہذیب اور تلخیص کر کے ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا۔ اسی تلخیص کی بنا پر ابن سینا نے اپنی کتاب ''شفاء'' مرتب کی۔ (۷۳) القفطی کے مطابق افلاطونی فلسفے کی غرض و غایت بتلانے کے بعد ارسطو کے متعلق ایک شاندار مقدمہ لکھا اور اس کے مقاصد بتائے۔ ارسطو کی ہر کتاب پر تبصرہ کیا اور علم الٰہی پر روشنی ڈالتے ہوئے علم طبعی سے مدد لی۔ (۷۴)

مسلمانوں میں آٹھویں و نویں صدی عیسوی میں فلسفہ ایک ممتاز اور نمایاں شعبے کی صورت میں ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ اگلی دو صدیوں میں علم الکلام کے دائرے میں داخل ہوتے ہوئے تقدیس کی صورت اختیار لیتا ہے۔ وہ مباحث جو یونانی فلسفے سے مسلم فلاسفی میں داخل ہوئے علم الکلام میں جا کر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس دوران فلسفہ بطور فلسفہ کے کمزور ہو گیا۔ فلسفیانہ مباحث علم الکلام کے تحت آ جانے کے بعد فلسفیانہ علوم روائتی علوم کے دائرے سے باہر سمجھے جانے لگے۔ تفسیر قرآن، علم الحدیث، فقہ، علم الکلام، قواعد، صرف و نحو، وغیرہ روائتی علوم کے زمرے میں آ گئے۔ مسلمانوں کی فلسفہ کو اسلام سے بیگانہ سمجھنے کی روش اتنی پختہ ہوئی کہ مغربی جدید فلسفے کی ترقی و ترویج کے باوجود ابھی تک یہ روش نہیں بدلی اور مسلمان فلسفہ کو قرآن سے غیر سمجھتے ہیں۔ برٹرینڈرسل مسلمانوں میں فلسفے کے نفوذ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

اہل شام فتح کے وقت ارسطو کے مداح تھے۔ نسطوری ارسطو کو افلاطون پر ترجیح دیتے تھے۔ افلاطون عیسائی کیتھولک کا مقبول فلسفی تھا۔ عربوں نے شروع میں یونانی فلسفہ کا علم

Marfat.com

شامیوں سے حاصل کیا لیکن ارسطو کے ساتھ افلاطون کے اثرات بھی نمایاں رہے۔ عرب فلسفہ کا بڑا نمائندہ الکندی (م ۸۷۳ء) تھا۔ ایران میں مسلمانوں کا ہندوستان سے رابطہ ہوا اور آٹھویں صدی میں سنسکرت زبان کی تحریروں سے عربوں نے علم ہیت حاصل کیا اور ۸۳۰ء میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے سنسکرت زبان سے علم ریاضی اور علم ہیت کا عربی زبان میں ترجمہ شائع کیا جس کا بارھویں صدی میں لاطینی میں ترجمہ کیا گیا۔ (۷۵)

فلسفہ یونان سے مسلمانوں میں داخل ہوا لیکن یونان میں فلسفہ ایک مقام پر رک گیا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یونانیوں نے فلسفے کو جس نقطے پر چھوڑا دیا تھا، شامی عربوں نے اسے وہیں سے اٹھایا۔ یعنی ارسطو کی نو افلاطونی تفسیر سے اس کے پہلو بہ پہلو افلاطون کی تصانیف بھی پڑھی جاتی تھیں اور ان کی تشریح ہوتی تھی۔ (۷۶) یہ کہنا درست ہوگا کہ فلسفہ یونان کو مسلمان کر کے اسلام کے تحت زیر بحث لایا گیا۔ یونانی فکر کے صرف ایسے پہلوؤں کو جو اسلام کے روحانی منظر سے مطابقت رکھتے تھے، انہیں ملت کے ثقافتی دھارے میں سمویا گیا۔ قدیم یونانی روایت کے مشرکانہ خصائص کو وحدت پرستی کی چھلنی میں چھانا گیا۔ (۷۷)

پانچ مسلم فلاسفروں کو عالم اسلام اور باقی دنیا میں نمایاں مقام ومرتبہ حاصل ہوا ہے۔ یہ مسلم فلاسفر مسلم دنیا کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یعقوب الکندی (۲۵۸ھ)۔ (م ۸۵۰ء) عرب کے سیاسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ابو النصر الفارابی (۳۳۹ھ)۔ (م ۹۵۰ء) ترک تھا۔ شیخ بوعلی بن سینا (۴۲۸ھ)۔ (م ۱۰۳۷ء) ایرانی تھا۔ محمد بن احمد بن محمد بن رُشید (۵۹۵ھ)۔ (م ۱۱۹۸ء) اندلسی تھا۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (۴۵۰ھ) خراسان سے تعلق رکھتے تھے۔ فلسفہ ورد فلسفہ میں ان کا نام نمایاں ہے۔ (۷۸) برٹرینڈ رسل نے ابن سینا اور ابن رشد کا خصوصی تذکرہ کیا ہے اور اس کے مطابق ابن سینا مسلمانوں میں اور ابن رشد عیسائیوں میں مقبول ہوئے۔ (۷۹) دوبوائر نے کندی، فارابی، ابن مسکویہ، ابن سینا اور ابن الہیثم کو مشرقی فلسفی اور نو افلاطونی اور ارسطالیسی حکماء قرار دیا ہے۔ جبکہ ابن ماجہ، ابن طفیل اور ابن رشد جیسے مسلمان فلسفیوں کو مغرب سے منسوب کیا ہے۔ (۸۰)

Marfat.com

الکندی اور اس کے معاصرین کا اصلی فلسفہ سب سے پہلے ریاضی اور فلسفہ فطرت ہے جس میں نوفیثا غورثی اور انوفلاطونی عناصر ایک دوسرے سے خلط ہو گئے۔ اس کے نزدیک کوئی شخص بغیر ریاضی کی تحصیل کے فلسفی نہیں ہوسکتا۔ (۸۱) کندی مسلم فلسفی کے نام سے مشہور ہے اور اس کے یہاں اسلام کے ان مختلف فرقوں کا بہترین بیان ملتا ہے۔ جو اس کے زمانے میں پائے جاتے تھے۔ (۸۲) الکندی نے فلسفے کی اصطلاحی لغت کی تدوین اور اسلامی نظریات کی اصطلاحوں کے ساتھ فلسفہ یونان پر غور وفکر کا آغاز کیا۔ (۸۳) الکندی کی ۲۳۶ کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں فلسفہ پر ۲۰، منطق پر ۹، ریاضی پر ۱۱، کرویہ پر ۸، موسیقی پر ۶، نجوم پر ۱۶، ہندسہ پر ۲۰، فلکیات پر ۱۳، طب پر ۲۳، احکامیات پر ۹، جدل پر ۱۵، نفسیات پر ۱۵، سیاسیات پر ۱۱، احداثیات پر ۱۱، العبادیات پر ۷، تقدمیات پر ۴ اور الواعیات پر ۳۱ شامل ہیں۔ (۸۴)

ابونصر الفارابی ابن خلکان کے مطابق شائد مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی تھا۔ فلسفیانہ علوم میں مسلمانوں میں کوئی شخص اس کے مرتبے کو نہیں پہنچا۔ ابن سینا نے اس کی کتابوں سے مستفید ہو کر قابلیت پیدا کی اور اپنی کتابوں کو مفید بنایا۔ (۸۵) القفطی نے فارابی کی ۳۷ کتب و رسائل کے نام درج کیے ہیں (۸۶) جبکہ عبدالسلام ندوی نے ۱۱۴ کی فہرست دی ہے اور یہ کہ وہ کئی زبانوں سے واقف تھا۔ (۸۷) دسویں صدی میں فلسفہ فطرت اور فلسفہ منطق یا مابعدالطبیعات کے درمیان امتیاز کیا جانے لگا۔ منطقی مابعدالطبعی مسائل جن کی بنا الکندی نے اٹھائی تھی، الفارابی کے ہاں نقطہ کمال پر پہنچی۔ (۸۸)

شیخ بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) المعروف ابوعلی حسین بن عبداللہ ابن سینا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسلامی فلسفہ و دانش اور فکر و ذہن کی تابانیوں میں اس کا وہی مقام ہے جو یونانی علوم و معارف میں ارسطو کا تھا۔ بلکہ ابن رشد نے بوعلی سینا کی طرف سے فلسفہ میں اضافے کی نشاندہی کی جس کا سراغ یونانی فکر میں نہیں ملتا۔ (۸۹) دوبوائر کے نزدیک یہ خیال غلط ہے کہ وہ فارابی سے زیادہ ارسطالیسی تھا بلکہ اسے کسی کی پرواہ ہی نہ تھی۔ اس کا کمال یہ تھا کہ دنیا کی

Marfat.com

ساری دانش کو اکٹھا کیا۔ اسے مدون کیا۔ اسے ترتیب دی اور پھر اس پر اضافہ کیا۔ (۹۰) کتاب الشفاء مختلف علوم کا مخزن اور دائرہ المعارف ہے۔ اس کی اٹھارہ جلدیں آکسفورڈ یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ (۹۱)

بقول عبدالجبار ڈیز ان مفکرین کے فلسفیانہ مشاغل میں ان کا دینی احساس حائل نہ تھا۔ ان کے نزدیک تو فلسفہ صداقت کی ایک قسم تھی۔ اس لئے اس میں اور قرآنی صداقت میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس سے قرآنی صداقت کی توثیق ہوتی تھی۔ مسلمان فلاسفہ نے صرف اس یونانی دانش کو قبول کیا جو اسلامی تصور توحید سے مطابقت رکھتی تھی۔ (۹۲)

فلسفہ یونان یا نوافلاطونیت وارسطالیسی فلسفہ مسلم دنیا کی فکری روایت میں داخل ہوا تو اسے فکر قرآن کے تحت چھانا گیا۔ عبدلجبار ڈیز نے اسے تین فکری نکات کے تحت بیان کیا ہے۔ ذات احدیت، عقل الوہی اور روح کائنات، یہ تینوں تدریجی ترتیب میں ظہوری اصول ہیں۔ اسلامی فلسفے کے تحت ذات احدیت اپنے ظہور کے عمل سے عقل الوہی جنم دیتی ہے پھر یہ عقل الوہی روح کائنات کو جنم دیتی ہے اور روح کائنات وجود کی مادی سطح کا اس کی روحانی سطح سے رشتہ قائم کرتی ہے۔ یہ سب اصول اسلام کی ان مابعد الطبعیاتی اور کونیاتی تعلیمات کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے جو قرآن، حدیث اور قرون اولیٰ کے مردان عارف کے اقوال سے استخراج کیے گئے تھے۔ (۹۳)

> ''مسلمانوں اور بازنطینیوں نے اختراع کی فکری قوت کے کم ہونے کے باوجود تہذیب کے لوازمات تعلیم، کتابوں اور فاضلانہ مصروفیت کا تحفظ کیا، مغرب جب بربریت سے نکلا تو ان دونوں نے اسے تہذیبی تقویت فراہم کی۔ مسلمانوں نے سب سے بڑھ کر تیرہویں صدی میں اور بازنطینیوں نے پندرہویں صدی'' (۹۵)

یونانی سقراط، افلاطون اور ارسطو نے اسلامی فلاسفی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ بعدیہ اسلامی فلاسفی اور مسلم فلاسفہ کی جماعت نے یورپ کو متاثر کیا۔ بقول برٹرینڈ رسل ابن سینا

Marfat.com

مسلمانوں میں اور ابن رشد عیسائیوں میں بہت مقبول ہوئے۔ (۹۵)

تیرہویں صدی ایک عظیم فلسفیانہ، دینیاتی، سیاسی اور معاشرتی امتزاج کی تکمیل کی صدی تھی یہ امتزاج چودھویں تا سولہویں صدی عیسوی مغربی فلسفے کی ترقی کا احیائی دور ہے۔ اس دور میں نظریہ قومیت نے جان پکڑی۔ انگریز، فرانسیسی، ہسپانوی، المانوی اور اطالوی باشندوں کو علیحدہ قومیت کا احساس ہوا۔ ہر ایک نے جدا طرز معاشرت اور نصب العین کو مطمع نظر بنایا اور قرون وسطیٰ کے بین الاقوامی معاہدہ کی قیود سے آزادی کی ٹھانی۔ ان میں پہلا معاہدہ کلیسا کا تھا جس کی قیادت پاپائے روم کے ہاتھ میں تھی۔ جبکہ دوسرا معاہدہ ''سلطنت'' تھی۔ جو اس بات کی دعویدار تھی کہ یورپ کی غیر متمدن اقوام نے رومی تمدن و مذہب اختیار کیا تھا۔ تیسرا نظام زمینداری جہاں آقا اور غلام کا نظام تھا۔

چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے جب قومی آزادی کے ولولے کے ساتھ مل کر نئی مذہبی تحریک نے قدیم کلیسا کی قوت کو پاش پاش کر دیا اور انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، سویڈن، ناروے، سوئیٹرز لینڈ جرمنی سے پاپائی سیاست کا خاتمہ ہو گیا۔ اس تبدیلی سے فلسفے کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ اس تجریدی تحریک کا بانی مارٹن لوتھر (۱۴۸۳-۱۵۴۶ء) خیال کیا جاتا ہے۔ یہ دور افراد کی آزادی کا دور ہے تاکہ اپنے اردگرد کی اشیاء کو جانتے اور سمجھتے ہوئے اپنے مطلب کے لئے لائے چونکہ یہی اشیاء قدرت نے اس کے لئے مہیا کی ہیں۔ (۹۶)

آزاد قومی حکومت کا خیال سب سے پہلے نکولو میکیاولی (۱۴۶۹ء-۱۵۲۷ء) کو آیا جو اطالیہ کی آزاد قومی حکومت چاہتا تھا۔ ڈیڑھ صدی بعد تھامس ہابس (۱۵۸۸ء-۱۶۷۹ء) (لیوتھین) کو آیا جس کا سبب انتشار اور جنگوں کا زور تھا۔ (۹۷)

اس کے بعد فرانسس بیکن نے (۱۵۶۱ء-۱۶۲۶ء) ''فلسفہ کی تجدید عظیم'' لکھی جس میں اس نے مظاہر فطرت کا مطالعہ نئے طریقے سے کرنے پر زور دیا۔ غالباً قرون وسطیٰ سے الگ کرنے والی یہی ایک انوکھے طریقے سے مطالعہ کی تحریک تھی۔

فرانسس بیکن نے مابعد الطبعیات اور دینیات کے مقابلے میں مطالعہ قدرت پر

Marfat.com

زور دیا تھا۔ وہ انسان کو فطرت کی تنسیخ پر اکساتا ہے۔ مگر اسے الحادی سمجھا گیا لیکن اس کا یہ مدعانہ تھا۔ وہ انسان کی تخلیق کو اس کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ بیکن کے نزدیک فطرت کا مطالعہ محض قیاس سے قابو میں نہیں آتا ہے۔ علوم طبعی بیکن کے حوالے سے زیر مطالعہ آئے۔ یہ تحریک ترقی کرتی گئی۔ کوپرنیکس نے ۱۵۴۳ء میں ریاضی کو علوم طبیعی کے استدلال کے لئے استعمال کرنے پر زور دیا جس سے مطالعہ مزید موثر ہو گیا۔ اور اٹلی کے گلیلو گلیلی (۱۵۶۴ء-۱۶۴۲ء) نے دوربین ایجاد کر کے اس کی تصدیق کی جو کہ کوپرنیکس کا استدلال تھا کہ زمین روزانہ اپنے محور کے گرد گھومتی ہے اور یہ کہ سیارے زمین کے گرد نہیں بلکہ سورج کے گرد گھومتے ہیں۔(۹۸)

ڈیکارٹ (۱۴۵۰ء-۱۴۹۴ء) کو عموماً جدید فلسفہ کا بانی خیال کیا جاتا ہے اور ایسا بجا طور پر سمجھا جاتا ہے، وہ پہلا شخص ہے جو بلند فلسفیانہ اہلیت کا مالک ہے اور اس کا زاویہ نگاہ نئی طبیعات اور فلکیات سے گہرا متاثر ہے۔(۹۹)

اس کا لاطینی نام کا تیزی (CARTESIAN) تھا۔ اس لئے اس کے فلسفے کو (CARTESIAN) بھی کہتے ہیں ڈیکارٹ نے فرانسس بیکن کے استقرائی طریقہ اور کلیساء کے استخراجی طریقہ فکر کو ریاضیاتی جامہ پہنایا اور اسے ایک نیا منہاج فکر و عمل (ABSOLUTE PRINCEPLE) قرار دیا۔ گویا ریاضی و ہندسہ کا مسائل فلسفہ پر اطلاق کیا گیا۔ عقل قطعی معیار ٹھہرتی ہے جو صداقت کو پا سکتی ہے۔ ڈیکارٹ کے منہاج میں چند قوانین بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۔ واضح اور صاف معلوم ہونے والی شئے ہی صداقت ہے۔
۲۔ پیچیدہ مسائل کو تقسیم کے عمل سے دوچار کر کے سمجھا جائے۔
۳۔ تصورات آسان سے مشکل تر نظام میں حقائق کی تفصیلی جانچ پڑتال ہو۔

اس سائنسی طرز کے فلسفیانہ اصولوں کی عملی مشکلات کے مدنظر اس نے روزمرہ قوانین پر عمل سے بھی نہ روکا جن میں قومی رسم و رواج کی تعمیل انسانی کردار کی دو انتہاؤں سے

Marfat.com

اجتناب، یقین محکم کا حصول اور پھر اس پر پختگی سے عمل پیرا ہونا، اپنے ماحول اور تقدیر سے تصادم سے پرہیز اور بہتر راہ عمل اختیار کرنے پر زور دیا۔ اس کے علاوہ تعلیمی طریق کار میں فصاحت، شاعری اور ریاضی کو مدنظر رکھا، جبکہ اپنے فلسفہ اولیٰ (۱۰۰) پر تفکرات میں تشکیک کو بنیاد بنایا ہے یہاں تک کہ شک رفع ہو جائے کیونکہ مطلق یقین ذاتی کوششوں سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ڈیکارٹ نے روح کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس کا مشہور فلسفیانہ مقولہ ''میں سوچتا ہوں اس لئے موجود ہوں'' سامنے آتا ہے۔ شک کرنا سوچنے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ موجود ہونے کا نتیجہ ہے۔ اس لئے جو وجود پر شک کر رہا ہے وہ سوچ رہا ہے اور جو سوچ رہا ہے، وہ موجود ہے۔ سوچنا دراصل روح کا ثبوت ہے۔ ڈیکارٹ کا روح کو تسلیم کرنا اس کے وہبی افکار کی مثال بھی ہے۔ اس کے نزدیک روح خلقی طور پر اپنی بنیادی فطرت لے کر پیدا ہوتی ہے اس لئے اسے کسی حسی تجربے کی ضرورت نہیں۔ رہتی یہ ابدی صداقتیں ہیں۔

۱۔ ان ابدی صداقتوں میں اللہ تعالیٰ کا انسان کے اندر سمایا ہوا وہبی تصور ہے جس طرح روح جسم کے اندر سمائی ہوئی ہے۔

۲۔ شئے سے شئے وجود میں نہیں آسکتی۔

۳۔ شئے موجود ہے اور موجود نہیں ہے دونوں ممکن نہیں۔

۴۔ جو شئے پیش ہو گئی اسے لوٹانا ممکن نہیں۔

۵۔ سوچنے کے سارے عمل کے دوران میں موجود ہوتا ہوں۔

خدا کے وجود کے لئے دلائل دو طرح سے دیئے ہیں کہ محدود سے لامحدود ظہور ہونے کی دلیل ہے۔ اپنی دوسری کتاب ''اصول فلسفہ'' (۱۰۱) میں مطلق وجود کو جوہر سے عیاں کیا ہے۔ جوہر کو اپنے موجود ہونے کے لئے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جوہر ایک ہی ہے۔ جو مطلق آزاد ہے اور جسے ہم خدا کہتے ہیں۔ باقی جوہر اس کی تخلیق ہیں۔ وہ آزاد مطلق جوہر نہیں ہیں کیونکہ آزاد مطلق جوہر ایک ہی ہے۔ انسانی جوہر میں نفس و جسم دونوں محدود ہیں اور ہونے یا نہ ہونے میں خدا کے محتاج ہیں۔ اس لئے خدائی جوہر لامتناعی جوہر ہے۔ البتہ نفس

Marfat.com

اور جسم کے تعامل میں اس فکر کو مشکلات پیش آتی ہیں۔(۱۰۲)

ڈیکارٹ کے بعد سپائنوزا (spinoza) (۱۶۳۲-۱۶۷۷ء) کا نام جدید یورپی فلسفے میں نمایاں ہے۔ برٹرینڈرسل کے نزدیک فلسفیوں میں سب سے زیادہ شریف النفس اور خاموش الطبع فلسفی تھا۔ اس پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا حالانکہ اس کے تمام فلسفہ میں خدا کا تصور حاوی ہے۔ اس کے نزدیک جوہر صرف ایک ہے اور وہ خدا یا فطرت ہے۔ کوئی محدود شے قائم بالذات نہیں ہے۔ ڈیکارٹ کے ہاں خدا، نفس اور مادہ تین جوہر ہیں۔ خدا کو نفس اور مادہ پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ خدا ان کا خالق ہے۔ سپائنوزا کے ہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ نفس ،مادہ خدا کی صفات ہیں، ہمیں صرف باقی صفات کا علم نہیں ہے یہ اشیاء نہیں ہیں بلکہ خدا کے مظاہر ہیں۔ وہ غیر مشروط وحدت وجود کا قائل ہے۔(۱۰۳)

لائبنز (Leibniz) (۱۶۴۶-۱۷۱۴) تیسرا اہم فلسفی ہے۔ برٹرینڈرسل نے اسے محض درباری قرار دیا ہے۔(۱۰۴)

لیکن یہ ہے کہ تجربی تصورات کو عقلی نظام فکر میں گنجائش پیدا کرنے کی کوشش میں اسے مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی فکر کانٹ کے فلسفے کی بنیاد ثابت ہوئی۔(۱۰۵)

ڈیکارٹ کے تین جوہر اور اسپائنوزا کا ایک جوہر لائبنز کے ہاں درست نہیں کیونکہ اس کے ہاں مادہ میں کثرت شامل ہے جو ہر پن ہو سکتے ہیں جو ہر نہیں۔(۱۰۶)

جان لاک نے ڈیکارٹ کی اتباع میں مادہ اور ذہن کو الگ الگ جوہر مانا جن کو ایسی ذات نے پیدا کیا جسے عقلی لحاظ سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔(۱۰۷) برٹرینڈرسل جان لاک سے فلسفیانہ تحریک آزادی کا آغاز شمار کرتا ہے، لیکن اسے بڑا فلسفی شمار نہیں کرتا۔ لاک فلسفہ وفکر پر سیاسی و معاشرتی حالات کی اثر پذیری کے نکات اٹھاتا ہے۔(۱۰۸) لاک مابعد الطبیعات سے دلچسپی نہیں رکھتا اور عقل کو دو حصوں میں استعمال کرتا ہے یقینی علم کی اشیاء کی جستجو اور دوم ان قضیوں کی تحقیق کرنا جنہیں عملی طور پر قبول کرنا دانائی ہے بے شک یقین کے مقابلے میں احتمال ہی ہو۔(۱۰۹)

Marfat.com

برکلے (۱۶۸۵ء-۱۷۵۵ء) آئرش نژاد تھا۔ وہ لاک اور ہیوم لاک کا جانشین شمار ہوتا ہے۔ برکلے مادہ کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ اس کے مطابق مادی اشیاء کا وجود صرف ان کا ادراک ہونے پر ہوتا ہے۔ خدا ہمیشہ ہر شئے کا ادراک رکھتا ہے۔(۱۱۰)

ہیوم کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے لاک اور برکلے کے تجرباتی فلسفے کو آگے بڑھا کر اسے منطقی انجام تک پہنچایا مگر ہے یہ بند گلی۔(۱۱۱)

اٹھارہویں صدی کو رومانوی تحریک سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس تحریک کا آغاز فلسفہ سے بے تعلق تھا۔ اس کا آغاز جین جیکو روسو (۱۷۱۲ء-۱۷۷۸ء) سے ہوا۔ رومانوی تحریک کا بانی کہلایا۔ اس کے زمانے میں دوگرہوں نے جنم لیا۔ ایک نے اس کی پیروی کی اور دوسرے نے لاک کی۔ برینڈرسل نے لاک اور روسو کے افکار کے نتائج کو بڑی خوبصورتی سے ان الفاظ میں بیان کیا:

> ''موجودہ وقت میں روسو کا نتیجہ ہٹلر ہے اور لاک کا نتیجہ روز ویلٹ اور چرچل ہیں'' (۱۱۲)

روسو کے بعد عمائل کانٹ (Kant) (۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء) کا نام آتا ہے جو جرمن ہے۔ جرمنی میں ہیوم کی لاادریت کے خلاف تصوریت کا رجحان پیدا ہوا۔ اٹھارویں صدی کے تخریبی نظریات کے مقابلے میں علم اور نیکی کے تصورات نے جنم لیا۔ یہ نئی فلاسفی کانٹ، اور ہیگل نے پیش کی ان تمام تصوریت پسند فلاسفہ کا تعلق رومانوی تحریک سے وابستہ رہا۔(۱۱۳)

کانٹ تین تصورات کو مانتا ہے:

☆ علت اولی جو طبیعات کی منزل مقصود ہے۔
☆ نفس جوہری یا نفسیات جو ذہن کی کسی نہ کسی شعوری حالت کی منزل ہے۔
☆ محیط عالم حقیقت: جو فلسفہ کی منزل ہے کانٹ اور ڈیکارٹ دونوں اس منزل کو خدا کہتے ہیں۔(۱۱۴)

ہیگل (Hegel) (۱۷۷۰-۱۸۳۱) کانٹ کے بعد جرمنی میں مقبول فلسفی ہے جس

Marfat.com

کے نزدیک حقیقی عقل ہے اور عقل حقیقی ہے۔ منطق پر زور کے ساتھ حرکت ثلاثہ یا جدلیات کا نظریہ پیش کرتا ہے، منطق اس کے نزدیک مابعد الطبیعیات ہے اور جدلیات مثبت (Thesis) نفی (Antithesis اور اتحاد Synthesis) پر مشتمل ہے۔(۱۱۵)

شوپنہار (SCHOPNEHAUER) (۱۷۸۸ء-۱۸۶۰ء) جو مسیحیت کے بجائے ہندومت اور بدھ مت کو ترجیح دیتا ہے۔ قومیت سے بے نیاز ہے۔ ارادہ (will) کا فلسفہ پیش کرتا ہے۔ ارادہ مابعد الطبیعیاتی لحاظ سے بنیادی ہے گو کہ اخلاقی لحاظ سے درست نہیں۔ وہ کانٹ، افلاطون اور اپنشد کو فلسفہ کے تین بنیادی ماخذ تصور کرتا ہے۔(۱۱۶)

نیٹشے (NEITZSCHE) (۱۸۴۴ء-۱۹۰۰ء) اس کے فلسفے میں ایک خاص ربط ہے۔ ارادے کو اخلاقی و مابعد الطبیعیاتی اولیت حاصل ہے۔ اُس نے شوپنہار کے فلسفہ کو گویا تقویت دی۔ دوسری جانب مافوق الانسان کا تصور پیش کرتا ہے۔ ذی حیات مظاہر کی خالص میکانکی اصولوں سے توجیہہ ہونی مشکل ہے۔(۱۱۷)

انیسویں صدی کی فکری زندگی کا احاطہ برٹرینڈ رسل ان الفاظ میں کرتا ہے:

انیسویں صدی کی زندگی کسی بھی پہلے زمانے کی فکری زندگی سے زیادہ پیچیدہ ہے اس کے متعدد اسباب ہیں۔

اوّل — اس کا متعلقہ احاطہ پہلے سے زیادہ وسیع ہے۔ امریکہ اور روس نے اضافے کیے۔ یورپ و ہندوستان کے قدیم و جدید فلسفوں سے زیادہ آگاہی ہوئی۔

دوئم — سائنس نے ارضیات، حیاتیات، اور نامیاتی کیمیا میں نئی فتوحات حاصل کیں۔

سوئم — مشینی پیداوار نے معاشرتی ڈھانچے کو بدل دیا اور انسان کو طبعی ماحول کے حوالے سے نیا تصور دیا۔

چہارم — فکر، سیاسیات اور معاشیات کے پرانے نظام بغاوت کی نذر ہو گئے۔ رومانی اور عقلی تصورات پیدا ہوئے۔(۱۱۸)

علم صرف مظاہر تک محدود ہے۔ اصل حقیقت تک ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہے۔

Marfat.com

کانٹ کے اس نظریے کو پروفیسر ولیم ہملٹن (۱۷۸۸ء۔۱۸۵۶ء) سینٹ پال (۱۸۲۰ء-۱۸۷۱ء) اور ہربرٹ اسپنسر (۱۸۲۰ء-۱۹۰۲ء) نے کسی قدر آگے بڑھایا۔ (۱۱۹)

افادیت پسندی کا نظریہ جرمی بینتھم (۱۷۴۷ء- ۱۸۳۲ء) اور جان اسٹوارٹ مل (۱۸۰۶ء-۱۸۷۳ء) سے وابستہ کیا ہے۔ اخلاقیات میں مذہب افادہ عالم کو سامنے لا کر مسرت کو بنیاد بنایا گیا۔ یعنی ایک اچھا فعل بنی نوع کی زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے مسرت و سعادت کا باعث ہوتا ہے۔ انسان اپنی خوشی کے علاوہ اور کسی شئے کی خواہش نہیں کرتا۔ (۱۲۰) اس نظریے کے دو بنیادی اصول ہیں۔ اصول تلازم (Associate Principle) اور اصول کثرت مسرت (The greatest happiness principle)۔ بینتھم کے لیے نفسیات میں جبریت اہم تھی کیونکہ وہ ایک ضابطہ قانون نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اور معاشرتی نظام کا خواہاں تھا جو خود بخود لوگوں کو نیک بنادے اور دوسرا اصول زیادہ سے زیادہ مسرت کا اصول (۱۲۱) جیمز مل (۱۸۳۰ء-۱۸۷۳ء) لذت کو محض خیر اور غم کو محض شر سمجھتا ہے۔ (۱۲۲) جان اسٹورٹ مل کے نزدیک خوشی واحد شے ہے جو پسند آتی ہے اس لئے خوشی واحد شے ہے جو پسندیدہ ہے۔ نظر آنے والی اشیاء ہی نظر آتی ہیں اور صرف قابل سماعت اشیاء سنی جاتی ہیں اور اس طرح صرف پسندیدہ اشیاء کی پسند کی جاتی ہے۔ برٹرینڈ رسل نے خوشی اور پسندیدگی کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ ایک شئے صرف اس وقت دکھائی دیتی ہے اگر وہ دیکھی جاسکتی ہے اور وہ پسندیدہ تب ہوتی ہے اگر اسے پسند کیا جانا چاہیے۔ پسندیدہ وہ لفظ ہے جس میں اخلاقی نظریہ اولین مفروضہ ہے۔ (۱۲۳) مسرت اور خوشی کا یہ فلسفہ یورپ کے سماجی ڈھانچے میں تیزی سے مقبول ہو کر کئی قسم کی منفی معاشرتی پیچیدگیوں کا باعث بن رہا ہے۔

بیسویں صدی میں فلسفیانہ ارتقاء میں دو نظام ہائے فکر سامنے آئے۔ ایک ڈارونیت (DARWINISM) (۱۲۴) اور دوسرا اشتراکیت (SCOIALISM)۔ کارل مارکس (پ ۱۸۱۸) نے اشتراکیت کو سائنس بنانے کا دعویٰ کیا اور طاقت و تحریک تخلیق کی۔ بقول برٹرینڈ رسل مارکس پہلا فلسفی تھا جس نے عملی نقطہ نظر سے سچائی کے تصور پر تنقید کی۔ مارکس کا

Marfat.com

فلسفہ تاریخ ہیگل اور برطانوی معاشیات کا آمیزہ ہے۔ ہیگل کی جدلیات میں ایک باطنی ذات ''روح'' موجود ہے مگر مارکس کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ دوسری طرف مارکس کے نزدیک انسانی تاریخ میں کسی عہد کی سیاست، مذہب، فلسفہ اور فن اس عہد کے پیداواری طریقے اور کسی قدر کم تقسیم کے طریقے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ (۱۲۵)

برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب ''فلسفہ مغرب کی تاریخ'' کے آخر میں برگسان (BERGSON) (۱۸۵۹ء-۱۹۴۱ء) ولیم جیمز (WILLIAM JAMES) (۱۸۴۲ء-۱۹۱۰ء) اور جان ڈیوی (JHON DEWEY) کا تذکرہ کیا ہے۔ یقیناً یہ فلسفی بیسویں صدی کے نمایاں فلسفی ہیں۔

برگسان کا فلسفہ دوئی پر مشتمل ہے۔ ایک طرف حیات اور دوسری طرف مادہ۔ متضاد حرکات میں ٹکراؤ و کشمکش ہے۔ حیات اوپر اٹھتی ہے اور مادہ پستی کی طرف آتا ہے۔ ارتقاء کا تعلق ماحول سے توافق پر نہیں ہے۔ یہ تو محض پیچ و خم ارتقاء کی وضاحت ہے۔ ارتقاء حقیقت میں تخلیقی ہے جیسے ایک فن کار کا فن پارہ۔ جبلت کو وہ وجدان قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک وجدان سے مراد یہ ہے کہ غیر جانب دار، خود شعور، اپنے مفروضات پر تفکر کے قابل اور اسے لامحدود وسعت دینے کی اہل ہے۔ مادہ، عقل اور حیات کی بحث میں اس کا موقف ہے کہ عقل کا طرز عمل جامد مادہ پر تفکر ہے۔ یہ حیات ہے جو خود کو خود سے باہر آشکار کرتی ہے۔ (۱۲۶)

ولیم جیمز صف اول کا امریکی فلسفی تھا۔ سائنسی اور مذہبی پہلوؤں پر اس نے لکھا۔ بنیادی تجربیت (RADICAL EMPIRCISM) کا نظریہ اس نے متعارف کرایا۔ اس کے علاوہ عملیت (PRAGMATISM) آلائیت (INSTRUMENTALISM) نظریے کا پُرجوش علمبردار تھا۔ (۱۲۷) ان دونوں فلسفوں نے امریکہ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ولیم جیمز سے متاثر نظر آتے ہیں۔ خصوصاً مذہبی استدلال میں استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔

جان ڈیوی نے فلسفہ کے علاوہ امریکہ میں تعلیم، جمالیات اور سیاسی نظریہ پر بھی اثر

Marfat.com

ڈالا۔ جان ڈیوی کی سچائی پر تنقید اسے فلسفہ میں آگے بڑھاتی ہے۔ اور آلاتیت کا روپ دھارتی ہے۔ سچائی کو علامتی طور پر صرف آخر، کامل اور دائمی سمجھا گیا ہے۔ مگر جان ڈیوی کے نزدیک یہ حقیقت عارضی ہے۔ اور عمل اگرچہ ارتقائی ہے مگر وہ کسی تصور کا انکشاف نہیں کرتا۔ (۱۲۸)

فلسفہ علمی منہاج و دائرہ کار:

سابقہ ادیان اور اِنسانی عقل وفکر کا نتیجہ فلسفہ یونان تھا۔ اِنسان نے ماضی سے اپنی عقل و دانش سے جو کچھ لینا تھا لے لیا۔ اِنسان شعوری ارتقاء کی سطح کو پہنچ گیا تو اُسے آگے بڑھنے اور باقی رہنے کے لئے دستور زندگی عطا کیا گیا۔ اس دستور کے ساتھ یہ اعلان بھی ہوا کہ اب کوئی اور دستور اِنسان کے لئے نہیں آئے گا۔ قرآن ہی قیامت تک کے لئے کفائت کرے گا۔ اِنسان سابقہ ادیان اور اپنے عقلی و عملی تجربے سے علم و دانش کی جس سطح پر پہنچا، اُسے علمی اصطلاح میں فلسفہ کا نام دیا گیا، مذہبیت، عقلیت اور حسیت کے حاصل کو فلسفہ کہا گیا۔ ظہور نبوت اور نزول قرآن نے اِنسانی ترقی و بلندی کی نئی بنیادیں اور تازہ کیفیت پیدا کی۔ مقاصد و معاملات کی نئی ترتیب قائم کی۔ اخلاقیات اور معاشیات کو نیا رنگ دیا تو یہ خیال ہونے لگا کہ فلسفہ قرآن سے غیر ہے اور شائد قرآن کے متوازی فکر کا حامل ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں یعقلون ۲۸ مرتبہ، تعقلون ۲۵ مرتبہ اور یتفکرون ۲۶ مرتبہ آیا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن نے اِنسانی عقل و دانش اور تجربے وعمل کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ابہام تب پیدا ہوتا ہے جب قرآن کو محض فلسفیانہ موضوعات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ قرآن اُن تمام موضوعات کو باقاعدگی سے زیر بحث لاتا ہے جو فلسفے کے بنیادی موضوعات ہیں۔ لیکن قرآن فلسفہ کے موضوعات کے علاوہ انسان اور کائنات سے متعلقہ کئی دوسرے موضوعات کو بھی پورے اہتمام سے زیر بحث لاتا ہے۔ ان موضوعات سے فلسفہ بحث نہیں کرتا اور غیر فلسفہ زندگی کے بعض پہلوؤں کو علم بنا کر ایک تنظیم و حاصل کے طور پر سامنے لانے کی سعی کرتا ہے۔ قرآن اول و آخر اِنسان و کائنات کے معاملات کلی اور ٹھوس بیان کرتا ہے۔

Marfat.com

فلسفہ کو قرآن سے غیر سمجھنے اور غیر قرار دینے کا نتیجہ ذہنی غلامی اور فکری پیروی ہے۔ آج جدید دُنیا کا منظر قرآن سے تازہ راہنمائی کا طالب ہے اور یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دور جدید کے اِنسان کو قرآن کی تعلیمات ایسی زبان و اسلوب اور طریقے سے دیں جسے آج کا اِنسان سمجھ سکے۔ فلسفہ و سائنس کے اس دور میں یہ ذمہ داری مسلمانوں کی ہے کہ وہ مطالعہ قرآن کی نئی اور تازہ جہتوں کی جستجو کریں۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اس کو اجمالاً بیان کیا ہے۔

مسلمانوں کے زوال پذیر ہونے کے بعد فکر مدون کرنے کی جو سعی مغربی دنیا کے دور جدید میں کی گئی ہے وہ بھی اتنی اہم ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور مسلمانوں کے لئے اس فکر سے آگاہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اِنسانی فکر کی نشوونما میں مسلمان اپنی فکر کے لئے کوئی جگہ صرف اُس وقت پیدا کر سکتے ہیں جب ان کی نگاہ دور جدید کی فلسفیانہ فکر پر ہو اور جو کمی رہ گئی ہے مسلمان اُس کمی کو پورا کریں اور اپنا علمی مقام و مرتبہ بحال کریں۔ (۱۲۹)

قرآن جامع العلوم ہے۔ یہ بہت سے واقعوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ حجیت قرآن کو ثابت کریں۔ مسائل سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے فلسفہ تین ادوار سے گذرا ہے۔ عقلیت حسیت اور تنقید کا دور بلکہ تنقیدی دور میں فلسفہ کے مسائل کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ تنقیدی دور سے قبل فلسفہ کا مسئلہ یہ تھا کہ:

یہ کائنات کیا ہے؟

اس کی ماہیت اصلی کیا ہے؟

انسان کا اس میں مقام و مرتبہ کیا ہے؟

مقام و مرتبے کے لحاظ سے انسان کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

ان سوالوں کا جواب فلسفیانہ فکر نے عقل کو ذریعہ علم مان کر دینے کی کوشش کی مگر بعض مخالف نتائج کے جنم لینے سے عقل کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے علم پر یقین متزلزل ہو گیا تو حسیت کا دور آ گیا کہ عقل نہیں، حواس ذریعہ علم ہیں اور انہی سوالات کا جواب مہیا

Marfat.com

کرنے کی سعی کی گئی مگر فلسفیانہ مسائل کے حل کے لئے مثبت نتائج پیدا نہ ہوسکے تو اس پر بھی اعتماد باقی نہ رہا۔ یوں فلسفیانہ مسائل کے حل کا نیا دور، دور تنقید یا دور جدید کا آغاز ہوا۔ اس دور میں فلسفیانہ مسائل کے حل کا طریقہ کار ہی تبدیل کر دیا گیا۔ مسائل کا آغاز ابتداء کائنات سے شروع کرنے کے بجائے اِنسان سے کیا گیا۔ منظور کے بجائے ناظر سے آغاز کیا گیا۔ اور فلسفہ کے مسائل یہ ٹھہرے:

میں کیا ہوں؟

میرا اس علم سے کیا تعلق ہے؟

علم کی ماہیت کیا ہے؟

عمل کے نتائج کیا ہیں؟

یوں طبیعیات، حیاتیات، نفسیات، اخلاقیات اور جمالیات کی علمی تقسیم کے تحت مادیت، حیاتیت، باطنی تصوریت، خیر وشر اور حسن و جمال کی فلسفیانہ فکر نے جنم لیا۔ (۱۳۰)

ڈاکٹر ڈی ۔ ایس۔ رابنسن کے نزدیک فلسفہ کے دو شعبے ہیں۔ تنقیدی اور نظری۔ ان کی آگے کئی شاخیں ہیں:

تنقیدی کے دو شعبے ہیں علمیات اور منطق۔ پھر علمیات کے دو شعبے ہیں نفسیات اور مابعد الطبیعیات۔ جبکہ نظری فلسفہ کے تحت طبیعیات اور نظریہ اقدار سامنے آتے ہیں اس ضمن میں اس کا موقف ہے:

فلسفے کے اہم مکاتبِ فکر:

ا۔ وجودیات:

وجود حقیقی مادہ ہے یا ذہن۔ مادہ کو حقیقت سمجھنے والے کو مادیت پسند کہتے ہیں اور اس کے مقابل تصوریت پسند یعنی ذہن کو حقیقت مانتے ہیں۔ سائنس مادہ کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے۔ اسلام کا تصور واضح ترین ان معنوں میں ہے کہ وہ مادہ کو بھی حقیقت مانتا ہے اور

Marfat.com

ذہن کو بھی نگران سب کو ایک حقیقت یعنی خدا کی تخلیق باور کرتا ہے۔

احدیت، ثنویت بھی وجودیات کے تحت زیر بحث آتی ہیں۔ فلسفہ، سائنس اور علم احدیت کے برعکس ثنویت یعنی کائنات میں ایک سے زائد قوتیں کارفرما ہیں کے تصورات پروان چڑھتے ہیں مگر آہستہ آہستہ یہ سارے علوم اسلام کے نظریہ توحید کی طرف آ رہے ہیں۔ جو زیادہ جامع ہے اور متوجہ کرنے والا ہے۔

۲۔ کونیات:

کائنات کی تشکیل کا مدار مادہ ہے یا ذہن ہے۔ یہ کس طرح بنی ہے؟ کائنات انھی دو عناصر کی تخلیق ہے یا اس کے علاوہ کن کی کوئی طاقت بھی کارفرما ہے۔ سائنس ٹھوس مادہ سے توانائی و طاقت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ فلسفہ، سائنسی ترقی کو بھی منظم کرتا ہے اور عمرانی ترقی کو بھی۔ سائنسی ترقی میں مادہ ٹھوس صورت سے توانائی میں تبدیل ہوتا ہے۔ مادی صورت میں یہ ذہن، روح اور خدا کے تصور سے خالی تھا۔ توانائی کی صورت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ نیوٹن کے میکانکی نظریہ، ڈرون کے نظریہ ارتقاء، آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت اور چند دوسرے نظریات نے عمرانی فلاسفہ پر گہرا اثر ڈالا تو فلسفہ نے اسے دوبارہ تنظیم دی اور نظریات کو عمرانی نظریات سے ہم آہنگ کیا۔

۳۔ علمیات:

حس، عقل اور وجدان دراصل علم حاصل کرنے کے انسانی آلہ جات ہیں۔ فلسفہ حس کو مسترد نہیں کرتا جو سائنس کا مدار ہے۔ کیونکہ سائنس کو بالآخر فلسفہ بننا ہوتا ہے۔ سائنسی فلسفہ سے پہلے عقل اور وجدان ہی فلسفہ کا مدار تھے۔ اسلام انسان کے ان آلہ جات کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے۔ ان کی اہمیت کو مانتا ہے۔ البتہ خود انسان کو احسن تقویم قرار دے کر ایک نصب العین سے وابستگی پر زور دیتا ہے۔

نفسیات: ذہن یا روح نفس یا شخصیت کی انتہائی ماہیت سے بحث کرتی ہے۔ کیا نفس محض انا

Marfat.com

کا وجود ہے؟ نفس کی ماہیت کیا ہے؟ کیا وہ لازمہ نفس ہے جسم نہیں ہے؟ کیا وہ سرمدی ہے؟ کیا وہ جسم سے پہلے موجود تھا اور جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہے گا۔ مابعد الطبعیات و نظریہ اقدار بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔(۱۳۱)

موضوعات فلسفہ:

فلسفہ کے موضوعات تین پہلوؤں سے متعلق ہیں (۱) حقیقت کیا ہے؟ (۲) علم کی نوعیت وصورت۔ (۳) مسائل و کردار اِنسان فلسفہ کے ان تین موضوعات کے حوالے سے تین علوم پیدا ہوئے۔ طبعیات، منطق، اخلاقیات

(۱) طبیعیات ماہیت اشیاء کا علم ہے (۲) منطق علم کی صورتوں کا علم ہے۔ (۳) اخلاقیات اِنسانی قدروں، مسائل و کردار کا علم ہے۔

یہ یونانی دور کی تقسیم تھی۔ جدید دور میں وسعت علمی کی بناء پر تقسیم علمی بھی برپا ہوئی ہے۔ صرف اخلاقیات اپنے اصلی معنوں میں مستعمل ہے۔ طبیعیات میں ماہیت اشیاء یعنی فطرت جسمی اور مابعد الطبعیات کو شامل رکھا ہے۔ عضوی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں نفسیات کا علم پیدا ہوا۔ یہ ذہنی زندگی کی ماہیت کا علم ہے۔ منطق اب عقلی فکر کے بعض صوری اضافات کی جانچ کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علم عموماً اب علمیات کے ذیل میں زیر بحث آتا ہے۔ جن معنوں میں یونانی طبعیات کا لفظ بولتے تھے ۔ جدید طور میں اس کے مقابلے میں مابعد الطبعیات کا لفظ آیا ہے۔ طبیعیات کو ارسطو نے استعمال کیا۔ اِسے اُس نے فلسفہ اولی کا نام دیا اور پھر اسے مابعد الطبعیات کا نام دے دیا۔ طبعیات کے بعد مابعد الطبیعیات کا نمبر دیا۔ اب یہ علم اشیاء کو حقیقت کی ماہیت کے عام ترین نظریات میں بدل دینے کے لئے ہے۔ اس کا مقصد جسیمی اور ذہنی عالموں کی وحدت ہے۔

فلسفہ وعلم کے حکماء کا ایک گروہ جسے علمیاتی ایجابی گروہ کہا جائے، وہ مابعد الطبعیات کو سرے سے تسلیم کرنے سے انکاری ہے لیکن جب تک انسان کی دوررس متلاشی نگاہیں غور و

Marfat.com

فکر پر مجبور ہوں گی۔ جو سوالات ذہن انسانی میں ابھرتے ہیں۔ جواب تلاش کیا جاتا رہے گا تو مابعدالطبیعات فنا نہ ہوگی۔ بقول پاولسن مابعدالطبیعات کی تاریخ میں خاطر خواہ ترقی نہیں ہوئی۔ یہ بات اس حد تک درست ہے کیونکہ یہ عرف عام میں مذہبی مسئلہ تھا۔ مذہب اس دور میں زوال پذیر ہوا ہے۔ محمد رفیع الدین اس خلا کو پاٹنے کے لئے قرآن پر از سر نو غور و فکر کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کیونکہ قرآن ان تمام سوالات کا جواب باقاعدہ دلیل سے دیتا ہے۔ حقیقت پر غور و فکر دو انتہائی سوالوں یا موضوعات تک لے جاتا ہے:

(ا) وجودیاتی۔ یعنی حقیقت کی ماہیت کس شئے پر مشتمل ہے؟ مختلف علوم سے مختلف الجنس حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو جسم خیال کرتی ہے جو مکان کو گھیرے ہوئے اور مکان میں حرکت کرتی ہے۔ نفسیات میں حقیقت کا مطلب حس ہوتی ہے۔ مظاہر شعور سے بحث کرتی ہے جو ناپے تولے نہ جا سکیں۔ یہاں سوال جنم لیتا ہے کہ کیا حقیقت دو بالکل مختلف وجودوں پر مشتمل ہے یا دو صورتیں ایک صورت کے دو پہلو ہیں۔ یہ سوالات مختلف مابعدالطبیعاتی نقطہ نظر تک لے جاتے ہیں۔ جو ثنویت، مادیت، روحانیت یا تصوریت کے نام سے موسوم ہیں۔

ثنویت سے مراد حقیقت کا جسمانی اور ذہنی ہونا مراد ہے۔ عقلی لحاظ سے یہ نظریہ مقبول رہا ہے مگر حقیقت کی وحدت اس قدر بڑی اور مطلق ہے کہ اس نظریے کی صریح تردید ہے۔ دو مختلف الجنس کو مرکب قرار دیتا ہے۔

مادیت: وحدت کی خواہش و تمنا کا دوسرا راستہ یہ توجیہہ ہے کہ حقیقت جسم و حرکت پر مشتمل ہے اور شعوری حالتیں اعمال کی محض نظری اشکال ہیں۔ یہ مادیت ہے۔

روحانیت یا تصوریت۔ ذہنی اعمال ہی حقیقت ہیں یہ طبعی مظاہر کی شعوری حالت ہے اور طبعی عالم اس حقیقت کی محض مظہری صورت۔ اصل روحانیت ہے۔ جبکہ لاادری وحدیت کے تحت یہ دونوں مظاہر ناقابل حصول حقیقت کے مظاہر ہیں۔

(ب) کونیات / مذہب (دوسرا سوال ہے) حقیقت کی صورت کیا ہے؟ کل چیزوں کے ربط کے متعلق ہم کیا کہیں؟

Marfat.com

الحادیا سالماتیت۔ توحید۔ وحدت الوجود اس کے نظریات ہیں۔

الحاد یا سالماتیتی نظریے کے مطابق حقیقت مختلف اشیاء کی ایک کثرت ہے۔ آپس میں ربط ہے لیکن ہر ایک بجائے خود بھی موجود ہے۔ حقیقت مستقل، غیر ماخوذ اور ناقابل فنا عناصر کا مجموعہ ہے۔ یہاں بھی کثرتیت سے وحدت پر غالب آنے کا رجحان ہے۔

توحید: عالم سے متعلق وحدیتی نظریہ دو شکلوں سے پایا جاتا ہے۔

عالم میں اشیاء کے اندر وحدت وہمنوائی ایک صانع کی عقل سے پیدا کرتا ہے جو ایک یکساں ارادہ کے مطابق عمل کرتی ہے یہ توحید کا نظریہ ہے۔

وحدت الوجود: یہ توحید سے مزید آگے مکمل تر وحدت کی تلاش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حقیقت ایک منفرد وحدتی جوہر ہے۔ اس وحدت کے مختلف اجزاء کی باضابطہ ترتیب کثرت ہے۔ یہ وحدت الوجود ہے۔ خدا تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ وہی ایک وجود ہے باقی تمام چیزیں اس کے ذریعے سے اور اس کے اندر ہیں۔ یہ اس سے علیحدہ، خارج یا مقابل نہیں ہوسکتیں۔

۲۔ فلسفہ کے موضوعات کے ضمن میں دوسرا پہلو ''علم کی نوعیت وصورت'' ہے۔

نظریہ علم دو مسائل اجاگر کرتا ہے۔ علم کی ماہیت اور علم کی اصل۔

حقیقی علم میں اشیاء ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسی کہ درحقیقت ہوتی ہیں مگر یہ خود حقیقت نہیں ہوتیں۔ یہ نظریہ حقیقت علمی ہے جبکہ تصوریت یا روحانیت اس تعقل کو ناممکن خیال کرتی ہے۔ اس کے مطابق علم ایک داخلی نفسی عمل ہے۔ اس کے اور خارجی اشیاء کے مابین مشابہت ممکن نہیں ہے۔ دوسرا سوال علم کی اصل کیا ہے یا علم کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ یہ تجربیت اور عقلیت کا میدان ہے جو فلسفہ کی تاریخ میں جاری ہے۔ تجربیت کیا ہے؟ تجربیت ہر قسم کے علم کو ادراک سے اخذ کرتی ہے۔ تجربہ علم کا واحد مبداء ہے اور تجربہ ادراکات کی ترکیب پر مشتمل ہے۔ علم کے میدان میں عقلیت کا موقف ہے کہ درحقیقت تمام حکمی علم ایک دوسرے اصول کو مسلم مانتا ہے جس کو تجربے سے اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ علم کا حقیقی مبداء فہم ہے جو تصورات قائم

Marfat.com

کرتا ہے۔

۳۔ فلسفہ کا تیسرا پہلو انسانی مسائل اور کردار ہے۔ انسانی مسائل کو کردار کے حوالے سے اخلاقیات کا نام دیا گیا ہے جس کا سوال ہے کہ کل امتیازات قدر کی آخری بنیاد کیا ہے خصوصاً جو انسانی افعال ور جحانات کے مابین ہے۔اس میں دو آرا ہیں کہ:

ان کی بنیاد وہ نتائج ہیں جو افعال کی بنیاد پر زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں جو موافق نتائج بیدار کرتی ہیں۔ وہ شر ہے۔ یہ نظریہ غائیت بھی کہلاتا ہے۔ دوسرا صوری نظریہ ہے۔ وحدانیتی بھی کہا جاسکتا ہے جس کے مطابق خیر وشر کردار ور جحانات، ارادے کی مختلف شکلوں کے اوصاف ہیں۔جن کا ادراک ممکن ہے اور شناخت بھی ہوسکتی ہے مگر جن کو ثابت بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (۱۳۲)

ڈاکٹر ہولڈنگ کے نزدیک:

فلسفیانہ تحقیق کے چار بڑے مسائل ہیں:

مسئلہ علم یا منطق، مسئلہ وجود یا کونیاتی مسئلہ، اخلاقی و مذہبی مسئلہ، مسئلہ شعور یا نفسیاتی مسئلہ۔

☆ علمیات یا نظریہ علم ایک مخصوص فکروفن میں ڈھل جائے تو منطق کہلاتا ہے۔علم وفکر میں اختلاف کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہولیکن امر واقع یہ ہے کہ وہ سب فکر انسانی سے کام لیتے ہیں۔کوئی تصور قائم ہوتا ہے۔ یا حکم لگایا جاتا ہے یا نتیجہ نکالا جاتا ہے تو فکر سے کام لے کر ایسا کیا جاتا ہے۔

☆ علم وفکر کے بل بوتے پر ہستی کی ماہیت یا حقیقت کی جستجو کرنا انسانی فطرت ہے جس کا انسان خود بھی ایک جز ہے۔ مواد و تجربہ کی عالمگیر شیرازہ بندی دراصل انسان کے بے باکانہ تخیلات اور توجیہہ کائنات سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی قدر وقیمت کا مدار اس کی جامعیت پر ہے۔

☆ ہستی سے ہمارا تعلق صرف فہم وادراک ہی کا نہیں بلکہ اُس کے اچھے یا بُرے ہونے

Marfat.com

کا بھی ہے۔ اس کا دائرہ اِنسانی اعمال و تنظیمات سے تمام وجود وحیات تک پھیل جائے تو مذہبی مسئلہ بن جاتا ہے جو وجود حقیقی اور اخلاقی نصب العین کے باہمی تعلق کی طرف لے جاتا ہے اور اخلاقی مسئلہ کو نیاتی مسئلہ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔

☆ ذہن و مادہ مسئلہ وجود کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ حیات شعور انسانی کا تجربی علم ہے۔ نفسیات علم انسانی کے واقع ہوجانے والے ارتقاء کو بیان کرتی ہے۔ نفسیات کو نیات کے تحت بھی آتی ہے جبکہ اخلاقی نقطہ نگاہ سے نفسیات دان احساسات کی ماہیت کی تحقیق کرتا ہے جن کے ساتھ معیار وقعت کا قیام وابستہ ہے۔ مسائل فلسفہ سے اس گہرے تعلق کی بناء پر نفسیات کو بھی فلسفے کا جز سمجھا جاتا ہے۔ (۱۳۳)

فلسفیانہ موضوعات کی مزید تقسیم در تقسیم ممکن ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ کہ ضمن میں مادہ و جوہر اور ثنویت و کثرتیت و وحدیت کی بحث کے ساتھ وجودیت، نفس، روح اور ذات کا مسئلہ، روح فانی یا لافانی، ذہن وروح اور جسم کا تعلق، ارادہ، آزادی، جوہر وعلت، زمان و مکان، میکانکی نظریہ ارتقاء و تخلیقی نظریہ ارتقاء، نظریہ علم و مذہب و اخلاقیات واقدار اور وجود باری تعالیٰ جیسے جزئی موضوعات فلسفہ کا میدان ہیں۔ اب پاولسن نے جن تین موضوعات کی نشاندہی کی ہے، یعنی حقیقت کیا ہے؟ علم کی نوعیت وصورت اور انسان کے مسائل و کردار، ان موضوعات کے تحت قرآن مجید کا نقطہ نظر بیان کیا جائے گا۔

قرآنی موضوعات فلسفہ اور ان کا دائرہ:

قرآن بنیادی طور پر سلسلہ وحی کی آخری کڑی ہے۔ (۱۳۴) وحی انسانی ہدایت کے لئے پہلے بھی نازل ہوتی رہی ہے اور یہ آخری وحی بھی اِسی مقصد کیلئے ہے۔ اس سب میں "اِنسان" بنیادی مرکز ہے جو ذات مطلق کی پہچان اور شعور کا آلہ و ذریعہ ہے۔

فلسفہ کی قدیم وجدید تعریفوں اور بحثوں کو یکجا کیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ فلسفہ مذہب سے متعارض نہیں ہے بلکہ اِنسان کی آزادانہ تحقیق کی روش کا اظہار ہے جو

Marfat.com

بیک وقت الہیاتی ہدایت اور اِنسانی تجربے کا مرہون منت ہے۔ گویا فلسفہ اِنسانی تجربات اور منظم علم کا نام ہے۔

قرآن بظاہر فلاسفی کی کتاب نہیں ہے بلکہ علمی اصطلاح میں مذہبی کتاب ہے۔ اس ناطے قرآن اُن تمام موضوعات سے بحث کرتا ہے جو فلسفے کا موضوع ہیں۔ اِنسان اور کائنات قرآن کا موضوع ہے اور یہی فلسفے کا موضوع ہے۔ پروفیسر محمد شریف کے مطابق:

"Both iressions as God, the World, the Individual Soul, and the inter-relations of these, good and evil, free will, and life after death. While dealing with these problems it also throws light on such conceptions as appearance and reality, existence and attributes, human origin and destiny, truth and error, space and time, parmanance and change, eternity and immortality".(۱۳۵)

مولانا حنیف ندوی لکھتے ہیں:

''فلسفہ اس وقت جنم لیتا ہے جب کسی مسلمہ رواج، عقیدے اور روایت کے بارے میں شکوک پیدا ہونے لگیں۔ فلسفہ اِنسانی تجربہ و مشاہدہ اور تحلیل و تجزیہ کی روشنی میں آگے بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے۔ فلسفہ یونان میں اور نبوت عرب میں تدبیر الٰہی کی مصلحیت تکوینی اور تشریحی ہے''۔ مولانا حنیف ندوی کے مطابق مصلحت تکوینی کا مطلب یہ ہے کہ تخلیق اِنسان قدرت کا ایک خاص کرشمہ ہے جو اُس کا نائب ہے۔ نائب کو عقل و حکمت سے بہرہ مند کر کے علم و ادراک کے وسیع دائروں تک جانے کی استعداد بخشی گئی۔ جہاں حقیقت و معنی کا آفتاب طلوع ہوتا ہے، جہاں زمین راز اگلتی ہے۔''

دوسری طرف انسان کو ہدایت اور روشنی سے نوازا گیا جس سے اس کا باطن بیدار ہو جائے۔ یہ نائب ہونے کا تقاضا تھا۔ اس لئے تکوینی سطح پر فلسفی پیدا ہوئے اور تشریحی سطح پر

Marfat.com

انبیاء مبعوث ہوئے۔ جن کی تعلیم، تزکیہ اور تربیت نے نوع انسانی میں نیکی و خیر کی محبت پیدا کی۔

فلسفہ وحکمت اور وحی وتنزیل ایک ہی خالق کی دو تدبیریں ہیں۔ ایک سرتاپا ہدایت ہے۔ دوسری خطا ولغزش کی راہوں سے آگے بڑھی ہے۔ فلسفہ کو اسی لئے انسانی تجربوں کے علم کی تنظیم کہا جاتا ہے۔ حیوان عاقل خطا ولغزشوں سے گذر کر تشریعی نتائج تک پہنچے گا۔ یہ معرض ارتقاء میں ہے۔ اس نے ابھی نکھرنا ہے اور بالآخر مذہب و دین کے حقائق سے بغل گیر ہوجائے گا۔ (۱۳۶)

مضامین ومباحث قرآن کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان سنگ میل کی حیثیت سے علمی حلقوں میں مانا جاتا ہے۔ ''الفوز الکبیر'' اس ساری بحث کی بنیاد ہے۔ (۱۳۷) علوم خمسہ میں تذکیر باحکام اللہ، جس میں عبادت، معاملات، تدبیر منزل اور تدبیر مدن شامل ہیں۔ دوسرا مخاصمہ جس میں یہودی، عیسائی، مشرکین اور منافقین شامل ہیں۔ تیسرا تذکیر بالآء اللہ، جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا تذکرہ ہے چوتھا مباحث تذکیر بایام اللہ جس میں انسانی تاریخ کے واقعات کا تذکرہ ہے اور پانچواں تذکیر بالموت و ما بعد الموت یعنی عقیدہ آخرت کی وضاحت شامل ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس ذیل میں لکھا ہے۔ (۱۳۸)

قرآن مجید کا بنیادی موضوع اس زندگی میں انسان کی اصلاح اور اخروی زندگی میں انسان کی فلاح ہے۔ وہ تمام امور جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اس زندگی میں انسان کی حقیقی، روحانی اور اخلاقی کامیابی کے ضامن ہیں اور وہ تمام امور اخروی زندگی میں انسان کی دائمی اور حقیقی کامرانی کے لئے ضروری ہیں۔ ان سب سے بالواسطہ یا بلا واسطہ بحث کی گئی ہے۔ (۱۳۹) فلسفہ جن سوالوں سے بحث کرتا ہے ان سے انسان کا آغاز کیا، کیوں اور کیسے ہوا؟ آدم اور آدمیت کی حقیقت، وجود اور وجود کے مظاہر کیا ہیں؟ قرآن ان سب سوالوں کا جواب فراہم کرتا ہے (۱۴۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی معروف کتاب ''الفوز الکبیر'' میں بیان کیے گئے قرآنی

Marfat.com

علوم کو بالتفصیل زیر بحث لانے کے بعد انہی کی مطابقت میں محمود احمد غازی مضامین 'قرآن' زیر بحث لاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ) کے بیان کردہ علوم خمسہ کی طرح ہمیں بھی قرآن مجید میں پانچ بنیادی مضامین نظر آتے ہیں۔ ان پانچوں میں سے ہر مضمون قرآن مجید کے ہر صفحہ پر بالواسطہ یا بلا واسطہ موجود ہے جس کا ہر قاری خود مشاہدہ کر سکتا ہے'' (۱۴۱)

محمود احمد غازی کے نزدیک پانچ اہم مضامین میں پہلا مضمون عقائد کا ہے۔ عقیدہ قرآن مجید کی تعلیم کا وہ حصہ ہے جو انسان کی فکری سرگرمیوں کو مثبت اور بامعنی جہت عطا کرتا ہے۔ اور اس کے فکری رجحانات و مشاغل کو صحیح خطوط پر استوار کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کی بنیادی قوتیں تین ہیں۔ ایک عقل وفکر، جس کا مرکز دماغ ہے۔ دوسرا احساسات و جذبات جن کا مرکز دل ہے اور تیسری قوت ظاہری اعمال، جن کا مظہر انسان کے عضو ہیں۔ (۱۴۲) قرآن مجید کا دوسرا اہم مضمون احکام ہیں۔ وہ ہدایات و تعلیمات جو انسانی زندگی کے ظاہری اعمال کو منظم کرتی ہیں (۱۴۳) تیسرا مضمون اخلاق، تزکیہ اور احسان ہے۔ انسان کے جذبات و احساسات کو ایک باقاعدہ تنظیم کی شکل میں لانے کے لئے یہ تین اصول اخلاق، تزکیہ اور احسان ہیں۔ (۱۴۴) چوتھا مضمون سابقہ امتوں کا تذکرہ ہے۔ ماضی کے کرداروں سے عقائد، احکام اور اخلاق کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ (۱۴۵) پانچواں مضمون موت اور حیات بعد الموت ہے۔ قرآن مجید نے جنت و دوزخ کا تذکرہ اس ذیل میں متعدد جگہوں پر کیا ہے۔ (۱۴۶)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآن مجید کو پانچ مضامین میں بیان کر کے قرآن کے مضامین کو جاننے کی ایک علمی سطح پر تنظیم کی تا کہ قرآن کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ محمود احمد غازی نے شاہ صاحب کی علمی اصطلاحوں کو مزید آسان کرنے کی سعی کی ہے اور بلاشبہ کامیابی حاصل کی ہے۔ مزید سہل بنایا جا سکے تو ان پانچ مضامین کو عقیدہ، قواعد شریعت، عبادت و ذکر، ماضی کے مثبت و منفی کرداروں کی وضاحت اور موت کہا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

موضوعات فلسفہ اور قرآن:

حیات اور کائنات کو از روئے فلسفہ دو حصوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ مادی توجیہہ اور دوسری نفسی توجیہہ۔ مادی توجیہہ سے مراد یہ ہے کہ کائنات کا اصل الاصول مادہ ہے۔ نفس یا شعور دراصل مادے ہی کی صورتیں ہیں۔ اس نقطہ نظر کے تحت اِنسان بھی میکانکی قوانین کا پابند ہے اور فطرت کے ہاتھوں جکڑا ہوا ہے۔ اقدار حیات اور اخلاق وغیرہ بے معنی اشیاء ہیں۔ روح اور خودی کا کوئی وجود نہیں ہے۔

فلسفہ حیات و کائنات کی یہ مادی توجیہہ مدتوں سے کر رہا تھا۔ جدید سائنس نے فلسفہ کی یہ توجیہہ مادے کو حادث ثابت کر کے غلط قرار دے دی ہے۔ جامد اشیاء اپنی تبدیلی کے باوصف زمان میں مستقل نہیں ہیں۔ فطرت جامد شئے نہیں ہے بلکہ یہ حوادث کی ایک مخصوص ترتیب و تنظیم ہے جس میں ایک طرح کا مسلسل تخلیقی میلان پایا جاتا ہے۔

حیات و کائنات کی دوسری توجیہہ کے مطابق کائنات کی اصل نفس یا ذہن ہے اور یہ عالم مادی اس نفسی حقیقت کا عکس ہے۔ ہمارا نفس ہی اس عالم کی ترتیب و تنظیم کا باعث ہے۔ نفس یا ذہن دنیا کے مظاہر کو ایک دوسرے سے جدا اور خود اپنی ذات سے جدا تصور نہیں کرتا ہے۔

فلسفہ میں علم کی بنیاد اِنسانی عقل ہے۔ دوسرے لفظوں میں عقل اِنسانی فلسفہ کی کائنات ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید میں علم کی بنیاد وحی ہے لیکن قرآن نے یہ کہہ کر فلسفہ کی اہمیت کو بیان کیا ہے کہ وحی بنیادی طور پر اِنسان کی ہدایت کے لئے ہے کیونکہ وہ اللہ کا نائب بنایا گیا ہے۔ اِنسان کا وحی سے تعلق عقل کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ اس لئے انسانی عقل کو قرآن سے غیر قرار نہیں دیا گیا۔ عقل و وحی کا سفر تاریخ میں اگر کہیں متوازی نظر آتا ہے تو یہ کسی متوازی مقصد کے لئے نہیں ہوتا۔ عقل و وحی کا مقصد ایک ہی ہے۔ قرآن نے اِنسانی عقل کو بار بار حرکت میں لانے پر زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَO
(البقرہ ۲:۱۶۴)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن رات کی تبدیلی میں اور کشتی میں جو دریا میں لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے چلتی ہے۔ اور اس میں جو اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ اور زمین کو اس کے بعد زندہ کیا۔ اور اس میں ہر قسم کے حیوان بکھیرے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان قابو کیا ہوا ہے۔ اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔

"یعقلون" قرآن حکیم میں ۲۸ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ (۱۴۷)

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَO (البقرہ ۲:۴۴)

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو۔ اور اپنی جانوں کو بھولے جاتے ہو۔ اور تم تو کتاب پڑھتے ہو۔ پھر کیا نہیں سمجھتے؟

"تعقلون" قرآن مجید میں ۲۵ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ (۱۴۸)

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَO (البقرہ ۲:۲۱۹)

ترجمہ: خدا یوں اپنی آیتیں تمہارے لئے بیان کرتا ہے۔ شاید تم سمجھو۔

"تتفکرون" اور یتفکرون" قرآن حکیم میں ۲۶ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ (۱۴۹)

حقیقت کیا ہے؟ حقیقت کائنات کیا ہے؟ حقیقت حیات کیا ہے؟ فلسفہ کے یہ بنیادی مسائل ہیں۔ قرآن مجید ان کی اپنے انداز میں وضاحت وتشریح کرتا ہے جس سے مادی اور نفسی توجیح کے نقطہ نظر پر روشنی پڑتی ہے۔

Marfat.com

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِی اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثاً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَO
(الاعراف ۷:۵۴)

ترجمہ: بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کردیا چھ دنوں میں۔ پھر قائم ہوگیا عرش پر۔ ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو۔ وہ جلدی سے اُسے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور ستاروں کو اُسی نے پیدا کیا۔ سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اُسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی) اور حکومت (بھی) برکت سے بھرا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار (ماجدی) (۱۵۰)

خلق اور تدبیر تخلیق کائنات میں شامل ہے جو اس خودکار مادیت کا کرشمہ ممکن نہیں ہے۔ زمین و آسمان اور سورج چاند ستارے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیے۔ اسی مضمون کو سورہ لقمان ۲۵ سورہ زمر ۳۸ اور سورہ زخرف ۹ میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ اندھیرے اور اُجالے کی تخلیق کا ذکر سورۃ الانعام کی ابتدائی آیت میں یوں کیا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْر (الانعام ۶:۱)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے آسمان اور زمین بنائے۔ پھر اندھیرا اور اجالا ظاہر کیا۔

آسمان، سورج چاند ستارے، دن و رات اور اندھیرا و اجالا مادی کائنات کے اہم ستون ہیں۔ قرآن مجید نے انہیں صریح طور پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق قرار دیا ہے۔ تخلیق کے مراحل طریق کار اور مادی کائنات میں اس تخلیق کے نتائج کو بھی بالوضاحت بیان فرمادیا ہے۔

سورۃ الاعراف ۵۴ میں آسمان و زمین کی تکمیل مدت چھ دن بیان ہوئی ہے اور پھر عرش کا ذکر ہوا جبکہ سورۃ فرقان ۲۵:۵۹ (اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ

Marfat.com

أَيَّامٍ) میں زمین و آسمان اور جو کچھ اس کے بیچ ہے، چھ دن کا تذکرہ ہے۔ سورہ فصلت ۹ میں (بالذی خلق الارض فی یومین) زمین کی تخلیق و تکمیل دو دن میں جبکہ سورہ فصلت ۱۰ میں (فی اربعة ایام) کا ذکر ہے۔ مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان سب کی تخلیق چھ دن میں ہوئی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دن موجودہ دن رات کے پیمانوں سے مختلف ہے۔

فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ (العنکبوت۲۹:۲۰) اور دیکھو کہ خدا نے کس طرح پہلی بار آفرینش کی۔ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ (فاطر۳۵:۱) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بَلَى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (سورہ یٰس ۳۶:۸۱) ہاں ضرور ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشاً (البقرہ۲:۲۲) جس نے زمین کو ہمارے لئے فرش بنایا۔ وَالسَّمَاءَ بِنَاءً (البقرہ۲:۲۲) اور آسمانوں کو چھت بنایا۔ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (البقرہ۲:۲۲)۔ اور اُس نے آسمان سے پانی اتارا۔ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً (الملک ۶۷:۳) جس نے سات آسمان تہہ بتہ بنا دیئے۔

بدالخلق فلسفہ کا اہم ترین موضوع ہے۔ لیکن فلسفہ اس وضاحت سے قاصر ہے کہ کائنات یا آسمان اور زمین کتنے دن میں بنے اور سات آسمان ہیں جو تہہ بہ تہہ ہیں۔ اس تک سائنس کی بھی رسائی نہیں ہوئی۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (العنکبوت۲۹:۶۱)

ترجمہ: (اور جو تو لوگوں سے پوچھے زمین و آسمان کس نے بنائے اور سورج و چاند کو کس نے زیر کیا تو کہیں اللہ نے)

زمین و آسمان، سورج چاند اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ اللہ کون ہے؟ کیا ہے؟ دراصل جس حقیقت مطلقہ کی سارے علوم بمعہ فلسفہ کے ازل سے تلاش و جستجو میں ہیں۔ قرآن مجید نے اُسے اللہ کا نام دیا ہے۔ اور اِنسان کی عقلی سطح کے ہر زاویے سے بیان کیا ہے کہ اللہ تبارک

Marfat.com

تعالیٰ کی ہستی پاک کیا ہے۔؟ سورۃ اخلاص ہستی باری تعالیٰ کی وضاحت کے ضمن میں نمایاں ترین سورت شمار ہوتی ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌO اللّٰهُ الصَّمَدُO لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْO وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌO (سورہ اخلاص ۱۱۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تنہا قائم بالذات ہے۔ وہ ایک ہے۔ صرف ایک ہے۔ وہ کسی اور ہستی یا شئے کا پہلے محتاج تھا نہ بعد تخلیق کائنات و جن و انسان۔ اُس کی برابری کا دوسرا کوئی شریک نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ عقل کے ساتھ شریعت سے بھی یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جیسی کوئی شئے نہیں ہے نہ تو اُس کی ذات میں، نہ اُس کی صفات میں اور نہ ہی اُس کے افعال میں''۔

(۱) سورۃ البقرہ میں اس مضمون پر ارشاد ہے:

ترجمہ: اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اُس کے سواء نہیں۔ وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے۔ اُسے نہ اونگھ آ سکتی ہے نہ نیند۔ اُس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کون ایسا ہے جو اُس کے سامنے بغیر اُس کی اجازت کے سفارش کر سکے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اس سب کو اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے۔ سو اُس کے جتنا وہ اس کے چاہے۔ اس کی کرسی نے سما رکھا ہے آسمانوں اور زمین کو اور اس پر اُس کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں ہے اور وہ عالی شان ہے عظیم الشان ہے۔ (البقرہ۔۲۵۵)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صورت و ہیت سے متعلق ہر زاویہ نگاہ سے وضاحت موجود ہے۔ جس قدر آیات اس ضمن میں بیان ہوئی ہیں وہ سب عقل و استدلال کے معیار پر

Marfat.com

پورا اُترتی ہیں۔ وہ غیر مجسم ہے اور اُس جیسا کوئی نہیں ہے۔ (لیس کمثلہ شئی) (۱۵۱) وہ حاضر و ناظر اور عالم غیب کو جاننے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُO (سورہ الانبیا۲۱:۴)

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار (ہر) بات کو جانتا ہے۔ آسمان اور زمین میں اور وہی خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے (ماجدی-۶)

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ أَحَدًاO إِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن۷۲:۲۶،۲۷)

ترجمہ: وہی غیب جاننے والا ہے سو وہ (ایسے) غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہاں البتہ کسی برگزیدہ پیغمبر کو (جب کسی غیبی علم سے مطلع کرنا چاہے۔)

وحدت و کثرت کے فلسفیانہ تصور کو ایک خاص اسلوب میں بیان کر کے قضیے کی توضیح کردی ہے۔ وہ اللہ واحد ہے سب سے اہم صفت الہٰ ہے جس کا معنی معبود اور رب ہے۔ فلسفہ، علم الکلام اور سائنس کی اپنی اپنی تشریحات ہیں مگر یہ طے ہے کہ ذات الٰہی کو اُس کی صفات کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر الہ اور الہ واحد آیا ہے۔ (الھکم الہ واحد) (۱۵۲) اللہ تعالیٰ ہی الہ ہے کائنات وحیات کا کیونکہ وہی خالق حیات و کائنات ہے۔

(ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ) (سورۃ الانعام ۶:۱۰۲)

ترجمہ: یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، کوئی خدا نہیں بجز اُس نے، ہر شئے کا پیدا کرنے والا۔ پس اُسی کی عبادت کرو۔

اِنسان اور اِنسان کی تخلیق فلسفہ کا اہم موضوع ہے۔ قرآن مجید کے تخلیق انسان کی ارتقائی منازل کا ذکر کیا ہے، یہ ارتقاء مادی ہے لیکن تخلیقی عمل سے وابستہ ہے۔

Marfat.com

(خَلَقَ الْاِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (علق ۹۶:۲). جس کو جمے ہوئے خون سے بنایا) اس تخلیقی عمل کے مراحل کو بالوضاحت بیان فرمایا تاکہ عقل و استدلال میں کہیں کمی نہ رہ جائے۔(هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ۔(الاعراف ۷:۱۸۹) وہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے) دوسرا مرحلہ تخلیق زوج آدم علیہ السلام ہے۔(وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً (سورۃ النساء ۴:۱) تیسرا مرحلہ تخلیق زوجین (خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ) (الذاریات ۵۱:۴۹)

پھر تخلیق ذریت آدم کے کئی مرحلوں کو بیان کیا ہے: سورۃ المومنون آیت ۱۱ تا ۱۸ میں تخلیق انسانی کے مراحل بیان کیے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ Oوَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ Oثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍOثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ Oثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَOثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَOوَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَO وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ (المومنون ۲۳:۱۱-۱۸)

ترجمہ:اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔پھر ہم نے اُسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر۔پھر تم اس (سب) کے بعد ضرور ہی مر کر رہو گے۔پھر تم قیامت کے دن از سر نو اٹھائے جاؤ گے اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق کے باب میں بے خبر نہ تھے اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اسے زمین میں

Marfat.com

ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں۔

قرآن اور فلسفے کے مشترکہ مضامین کے تعین میں پروفیسر میاں محمد شریف، بی۔اے ڈار، مولانا مودودی نے کام کیا ہے۔ پروفیسر محمد شریف نے لکھا:

"The Qur'an is a book essentially religious, not philosophical, but it deals with all those problems which religion and philosophy have in common."(۱۵۳)

حقیقت کبریٰ: خدا واحد اور یکتا ہے۔ اول و آخر ہے۔(۱۵۴)

ذَلِکَ بِأَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا یَدْعُونَ مِن دُونِہِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیرُO (سورہ لقمٰن ۳۱:۳۰)

ترجمہ: یہ اس سب سے کہ اللہ ہی کی ہستی حقیقی ہے اور اس لئے کہ اس کے سواء جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں۔ سب ہیچ (باطل) ہیں اور اس لئے کہ اللہ ہی بلند شان والا بڑی شان والا ہے۔ (ماجدی)

خدا اور دنیا: اس کائنات کا تخلیق کار خدا ہی ہے۔

اللّٰہُ یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیدُہُ ثُمَّ إِلَیْہِ تُرْجَعُونَ (سورہ الروم ۳۰:۱۱)

ترجمہ: اللہ ہی خلق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُسے دوبارہ بھی پیدا کرے گا پھر اُس کے پاس تم سب لائے جاؤ گے۔

خدا انسان اور روح: خدا انسان کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔

یَا أَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَۃٍ وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیراً وَنِسَاء (سورہ النساء ۴:۱)

ترجمہ: اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے۔

آزادی فکر: انسان کو علم عطا کر کے اُسے غور و فکر کی قوت عطا کی۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاء کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلاَئِکَۃِ فَقَالَ أَنبِئُونِی

Marfat.com

بِأَسْمَاء هَـؤُلاء إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ (البقرہ۲:۳۱)

ترجمہ: اور اللہ نے آدم کو نام سکھلا دیئے کُل کے کُل ۔ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو۔

<u>انسان اور ارادہ واختیار</u>: اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو اِنسان کی دسترس میں دے دیا۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِيْ الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمن۳۱:۲۰)

ترجمہ: کیا تم لوگوں کی اس پر نظر نہیں کہ اللہ نے تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے اس کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُس نے تم پر اپنی حسی اور معنوی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں"۔

بی۔ اے ڈار نے قرآن کے فلسفہ اخلاق کو از روئے قرآن بیان کیا ہے۔ اخلاقیات فلسفہ کا اہم اور لازمی موضوع ہے اور کوئی فلسفی اپنے آپ کو فلسفی نہیں لکھتا، اگر وہ اخلاقیات کے فلسفہ پر اپنی بصیرت و دانش کو استعمال نہیں کرتا۔ زندگی ،عقیدہ، اتحاد، طاقت، حقیقت ، انصاف ، محبت، نیکی اور حسن کے تحت قرآنی آیات کی رو سے معاشرے کے ان اخلاقی اوصاف کو بیان کیا ہے۔ فلسفہ بنیادی طور پر انسانی زندگی ہی کا منظم علم ہے۔ اس لئے فلسفہ ان موضوعات کو اِنسانی تجربے، مشاہدے اور علم کی بناء پر ایک معاشرتی عمل کے دائرے میں لانے پر زور دیتا ہے۔ بی۔ اے ڈار نے آغاز زندگی کے فلسفے سے کیا اور لکھا:

"God is he living one Himself and gives life to others. The moral laws enunciated in the Quran are life-giving and life enriching"(۱۵۵)

زندگی، زندگی سے ہے۔ اللَّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرہ۲:۲۵۵)

(اللہ وہ ہے کہ کوئی معبود اُس کے سوا نہیں، وہ زندہ ہے۔)

Marfat.com

وَاللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ (آل عمران۳:۱۵۶) اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (النحل۱۶:۹۷)

''پس اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے''۔ زندگی کے آگے بڑھنے کی شرط عقیدہ اور نصب العین ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُم مِّن طِيْنٍ ثُمَّ قَضَى أَجَلاً وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَهُ ثُمَّ أَنتُمْ تَمْتَرُونَ (الانعام: ۶-۲) (اور اللہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک وقت مقرر کیا اور معین وقت اُسی کے علم میں ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔) معاشرے میں زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے اتحاد اور قوت درکار ہوتی ہے۔ جیسے بی۔اے ڈار نے لکھا ہے:

"Unity, as one of the ideals of man, implies unity in the internal life of man, a co-ordination of reason, will, and action."(۱۵۶)

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُو۔ (آل عمران۳:۱۰۳)

''اور اللہ کی رسی (تعلیم قرآن) کو سب مل کر مضبوط کرو اور باہم نااتفاقی نہ کرو''۔

اِنسان کو قوت حاصل ہے جو اُسے خدا نے دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے (ترجمہ) ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی۔ سو اُن سب نے انکار کیا اس سے کہ وہ اسے اٹھائیں، وہ اس سے ڈرے اور اسے انسان نے اٹھالیا۔ (الاحزاب۔۷۲)

حقیقت کیا ہے؟ فلسفے کا یہ بنیادی سوال ہے۔ جس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ انصاف ایک ایسا معاشرتی وصف ہے بلکہ ایک ایسا عمل ہے جس سے یہ کائنات قائم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (النساء۴:۵۸)

(''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔'')

Marfat.com

بی ۔اے ڈار کے مطابق:

"Justice is a divine attribute and the Quran emphasized that we should adopt it as a moral ideal."(۱۵۷)

محبت(Love) بھی ایک فلسفیانہ اصطلاح کے طور پر شمار ہوتی ہے۔ محبت کیا ہے؟ اور کس سے کی جانی مطلوب ہے۔قرآن مجید میں محبت کا حق دار صرف اور صرف خدا ہے۔

وَالَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ۲:۱۶۵)

''اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔''

محبت کا تقاضا اور عمل نیکی ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ(البقرہ۲:۱۴۸)''سو تم نیکیوں کی طرف دوڑو''(۱۵۸)

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی (۱۵۹) نے معاشی اور سیاسی نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ قرآن نے پہلی مرتبہ اِنسان کی دسترس میں آنے والے قدرتی وسائل کو خدا کی تخلیق اور ملکیت قرار دیا۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُم مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِيعًا(البقرہ۲:۲۹) (''وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب'')۔زیر نظر مقالے میں قرآن کے معاشی نقطہ نظر کو اکیس نکات کے تحت بیان کیا گیا ہے جبکہ سیاسی نقطہ نظر کو بھی کئی نکات میں بیان کیا۔جس کی بنیاد یہ ہے کہ خدا ہی ساری کائنات کا تخلیق کار ہے اور وہ اعلیٰ و برتر قوت ہے۔أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ط(البقرہ۲:۱۰۷) (کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے''۔اس ضمن میں سولہ نکات زیر بحث لائے گئے ہیں)(۱۶۰)

مضامین جو فلسفہ کے تحت زیر بحث لا کر ایک منظم علم کا روپ دھارتے ہیں قرآن مجید میں وہ تمام کائناتی تخلیق کے پس منظر میں زیر بحث لائے گئے ہیں۔فلسفہ انسانی تجربات و مشاہدات کو ایک مسلسل تاریخی عمل کے نتیجے میں ایک سلیقے اور تنظیم کی صورت میں لانے کا نام

Marfat.com

ہے۔ یہ ایک علمی اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اِنسان نے نسل در نسل نوعِ انسانی کے تجربات و مشاہدات اور اُس عقل و بصیرت سے اخذ و استنباط کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دے رکھی ہے۔ اِنسانی عقل و بصیرت کے دائرے کی اور اُس کی بلندی کی بھی ایک حد ہے۔ یہ حد کائنات اور اس کے اندر موجود ہر شئے ہے جبکہ اِنسانی عقل کو ایک راہنمائی اُس کی تخلیق کے ساتھ میسر ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے قرآن کے فلسفیانہ مضامین کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے:

''دنیائے علم و دانش پر قرآن پاک کا ایک بہت بڑا احسان اس کا وہ علمی منہاج اور طرزِ استدلال ہے جس نے آگے چل کر منطق استقرائی کو فروغ دیا۔ قرآن مجید نے توحید اور حیات بعد الموت کے عقائد کو لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لئے جو اسلوب اختیار فرمایا وہ جزئیات کے مطالعے سے کلیات تک پہنچانے کا اسلوب ہے۔ قرآن مجید ایک بڑی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے روزمرہ زندگی کی بہت سی مثالیں بیان کرتا ہے جن پر غور کرنے سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو بالآخر اس حقیقت کبریٰ کی نشاندہی کرتا ہے جو قرآن پاک کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔''(۱۶۱)

علم کی نوعیت اور صورت دوسرا موضوع ہے جس پر فلاسفہ نے کام کیا۔ بنیادی طور پر علم ہی فلسفہ کا آلہ ہے۔ علم جوں جوں آگے بڑھتا ہے، تنظیم حاصل کرتا ہے تو فلسفہ کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ فلسفہ کا دعویٰ ہے کہ وہ حقیقت من حیث الکل کا علم ہے اور مذہب کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی ہستی کا یقین ہے۔ علمیات وہ علم ہے جس کا موضوع علم ہے۔ اسلئے بالوحی اور انسانی علم دونوں علمیات کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ علمیات کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ مبداء علم، ماہیت علم، موضوع علم، مسئلہ علم، طریقہ علم، وظیفہ علم، مضمرات علم، حدود صحت علم اور زندگی پر اثرات علم سے بحث کرتا ہے(۱۶۲) اِنسان اپنے تجربے و مشاہدے اور دانش و بصیرت سے بتدریج

Marfat.com

اشیاء کی حقیقت کے علم کی طرف بڑھ رہا ہے کہ یہی راستہ اُس کے لئے حقیقت ذات مطلقہ کے یقین کا استقرائی راستہ ہے۔ تدریج کے اس سفر میں علم بالوحی متوازی نہیں رہا بلکہ جس کو اِنسانی علم کہتے ہیں، حقیقتاً یہ علم بالوحی کا ارتقائی و استقراری عمل ہے۔ تضاد اگر کہیں کسی موڑ پر پیدا ہوتا ہے تو اگلے کسی موڑ پر حقیقت کے سامنے آنے پر رفع ہوجاتا رہاہے اور یہ عمل جاری ہے۔

علم کی حقیقت یونانیوں نے یہ بیان کی تھی کہ کسی چیز کی صورت جو ذہن کو حاصل ہوتی ہے اس کا نام علم ہے۔ اس کے متعلق حصولی، حضوری، حصول اشیاء بانفسہا جیسی طویل بحثیں موجود ہیں، جبکہ علم کی جدید تعریف یہ کی گئی کہ حواس و عقل و وجدان ذریعہ علم ہیں۔ (۱۶۳)

اِنسان کے ذہنی قویٰ تین ہیں حواس، عقل و وجدان:۔ علم کی جستجو میں حواس و عقل بالآخر وجدان کے خدمت گذار بن جاتے ہیں۔ وجدان اِنسان کی وہ ذہنی استعداد ہے جس سے وہ حقائق کا براہ راست احساس کرتا ہے۔ طلب علم کا یہ بڑا ذریعہ ہے۔ (۱۶۴)

فلسفہ اور مطالعہ قرآن ۔ محمد رفیع الدین کا نقطہ نظر:

> ''ذہنی کاوش و جستجو سے دریافت ہونے والی ہر علمی صداقت خواہ وہ علم کے تینوں طبقات میں سے کسی طبقہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہو اور خواہ اس کا دریافت کرنے والا مسلمان ہو یا کافر جس حد تک وہ فی الواقع ایک علمی صداقت ہے حقائق قرآنیہ کی تشریح اور تفسیر ہے۔'' (۱۶۵)

قرآن کی فلسفیانہ جہت اور فلسفہ کی قرآنی جہت کے تعین میں غور و فکر کے لئے یہ الفاظ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ فلسفہ غلط یا صحیح ایک تصور کو بنیاد بناتا ہے۔ جبکہ یہ غلط و صحیح بنیادیں معرض ارتقاء میں رہ کر آگے بڑھتی ہیں۔ یہ کہنا کہ قرآن کا فلسفے سے تعلق نہیں درست نہیں ہے۔ بحیثیت مجموعی فلسفہ سلسلہ قوانین عالم کے ایک تصور سے بحث کرتا ہے۔ جبکہ قرآن تصور کائنات کا اپنا ایک ٹھوس نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ قرآن کے اس تصور کائنات کو صحیح ماننے

Marfat.com

کے لئے فلسفہ معرض ارتقاء میں ہے۔یعنی فلسفہ علم کی جہت سے قرآن کے تصور کائنات کی تصدیق کرے گا۔مزید یہ کہ حقائق قرآنیہ کی جستجو و دریافت اِنسان کے سُپرد کی گئی ہے اور اس کے لئے اِنسان کے اندر طلب وجستجو کا ایک داعیہ موجود ہے۔ اِنسان کا طلب وجستجو کا یہ عمل صدیوں سے جاری ہے اور بہت سے میدانوں میں اِنسان نے کامیابیاں حاصل کر رکھی ہیں۔(۱۶۶) محمد رفیع الدین کے الفاظ میں۔

''صحیح فلسفہ کی بنیاد قرآن حکیم ہے۔قرآن کا نازل کرنے والا خود حکیم ہے اور حکمت کو پسند کرتا ہے۔''(۱۶۷)

فلسفہ وحکمت کا یہ سفر صدیوں پر محیط ہے اور جاری ہے۔حقیقت کائنات کا مرجع ایک وحدت ہے۔ یہ تصور اس سفر میں کسی نہ کسی صورت نمودار ہوتا رہا ہے۔وحدت عالم کا یہ وجدانی اعتقاد تمام بڑے بڑے فلسفیوں اور حکیموں او رسائنس دانوں کی فکر میں چاہے وہ تصوریت پسند ہوں یا مادیت پسند، ایک قدر مشترک کا حکم رکھتا ہے۔(۱۶۸) وحدت کائنات کا مطلب یہ ہے کہ حقائق عالم ایک عقلی ترتیب وتنظیم اختیار کر سکتے ہیں۔معلوم حقائق سے نامعلوم حقائق کی دریافت دراصل تمام پوشیدہ حقائق کو سامنے لانا ہے۔فلسفی اور سائنس دان اس کام پر مامور ہیں۔معلوم حقائق کی تعداد ان کی کوششوں سے بڑھ رہی ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ صحیح تصور کائنات نمایاں صورت میں بتایا جاسکے گا۔(۱۶۹)

یہ کہنا کہ قرآن کا فلسفہ سے کیا تعلق ہے؟ درحقیقت یہ کہنا کہ قرآن کا تصور کائنات اور سلسلہ قوانین عالم سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا درست نہیں ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ قوانین عالم قرآنی تصور کائنات سے مطابقت رکھتا ہے اور کسی دوسرے تصور کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔یہ بات محبت قرآن کا تقاضا بھی ہے۔(۱۷۰)

علمی حقائق کی ترقی سے غلط فلسفے مٹتے ہیں اور صحیح فلسفہ ابھرتا ہے۔علمی حقیقتیں سب کی سب ابھی دریافت ہونا باقی ہیں۔اس لئے صحیح فلسفہ میں بھی خلا کا رہنا ممکن ہے۔سچی علمی حقیقتیں ایک دوسرے سے عقلی ربط رکھتی ہیں لہٰذا وہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ذہنی جستجو

Marfat.com

کا یہ سفر بالآخر ایک صحیح فلسفے تک رسائی حاصل کرلے گا۔ یہ فلسفہ ہی بالآخر انسانیت کو متحد کرے گا۔(171)

قرآنی نقطہ نظر سے بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں کہ اخلاق، سیاست، قانون، تعلیم اور فلسفہ عقل سے پیدا نہیں ہوتے، محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔(172) صحیح آدرش خدا ہے۔اس لئے اس آدرش سے جو اصول اخلاق یا قوانین عمل پیدا ہوتے ہیں، صحیح ہیں۔ باقی غلط ہیں۔ اس لئے اخلاق، سیاست، قانون، تعلیم اور فلسفہ آدرشوں کے ذیل میں محبت سے جنم لیتے ہیں، عقل سے نہیں (173) آدرش حسن کا ایک تصور ہے جسے ہمارا وجدان قائم کرتا ہے، عقل قائم نہیں کرتی۔ احساس حسن عقل کا کام نہیں۔تصور حسن ایک وحدت یا کل ہے۔جس کا احساس عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ (174) محمد رفیع الدین کے نزدیک ہماری زندگی کا راہنما اصول محبت ہے، منطق نہیں۔ انسانی زندگی کا داعیہ محبت یا احساس حسن ہے۔ ذہانت داعیہ نہیں بن سکتی۔ احساس مجموعی نفس کا فعل ہے۔ذہانت محض اس کا حصہ ہے۔ (175) سائنسی اور عقلی علم کبھی بھی کامل طور پر عقلی نہیں ہوتا بلکہ اس میں وجدان، احساس ایمان کا بڑا دخل ہوتا ہے۔(176) عقل اور وجدان کے سائنسی وعلمی ربط اور تعلق کو عمل ترکیب اور عمل تحلیل کی اصطلاحوں کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عقل کا کام وجدانی ملکات کی سالمیتوں سے ممکن ہوتا ہے جو اس سے ربط رکھتی ہیں تاکہ ان کا وقوف حاصل کرسکے۔عقل صرف ان علاقوں کا مطالعہ کرسکتی ہے جو معلوم سالمیتوں کے باہم موجود ہوں۔نئی سالمیت عقل کے بس کی بات نہیں۔ یہ وجدان کا کام ہے۔عقل نفس کو اس کی منزل مقصود کی راہ دکھا سکتی ہے مگر خود منزل پر پہنچ نہیں پاتی۔ (177)

حکمت اور فلسفہ:

قرآنی اصطلاح فلسفہ کی مروجہ اصطلاح کے مقابلے میں ''حکمت'' ہے۔حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔قرآن مجید کتاب حکمت ہے۔حکیم اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں

Marfat.com

سے ایک ہے۔ فلسفی صداقت کی جستجو کرتا ہے اور یہ صلاحیت صرف صداقت کے اندر ہی ہے کہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے درست ہو۔ قرآن حکیم مجمل حکمت کائنات ہے اور اس کی تفصیل اور تشریح جو قیامت تک ہوتی رہے گی، حکمت کائنات ہے۔ یہی تفسیر و تشریح کتاب حکمت ہے۔ محمد رفیع الدین کے الفاظ میں:

> ''ہم تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں صرف ایک فلسفہ صحیح ہے اور باقی سب فلسفے غلط ہیں اور صحیح فلسفہ وہ ہے جو قرآن حکیم پر مبنی ہو اور جو خدا کے عقیدہ سے آغاز کرے اور خدا کے عقیدہ پر ختم ہو۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (۱۸۷)

دوسری جگہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک فلسفہ ہے اور اپنی طرف ''حکمت'' کو منسوب کرتا ہے۔ لفظ ''حکیم'' (یٰسٓ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ) (یٰس ۳۶: ۱،۲) سے اپنے آپ کو تعبیر کرتا ہے اور بار بار عقل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ فلسفہ کا لازمی عنصر استدلال نہیں بلکہ کائنات کا وجدانی تصور ہے۔ قرآن ایک مکمل علمی و عقلی کائنات کا تصور پیش کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ایک فلسفہ ہے۔ جب وجدانی طور پر معلوم حقیقت سچی ہو تو بے خطا اور منطقی استدلال بالقوہ اس کے اندر موجود ہوتا ہے اور غلط تصور میں عقل کا استدلال سوائے ٹھوکروں کے کچھ نہیں ہوتا۔ حکمت و دانائی صفات الٰہی میں سے ہیں۔ اس کی بناء پر کائنات کی ایک عقلی ترتیب ضروری ہے۔ کائنات ایک زنجیر کی مانند ہے۔ ایک واقعہ دوسرے واقعہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یوں ہماری حق و صداقت کی جستجو ممکن ہوتی ہے۔ یہ فلسفہ ایک وجدان ہوتا ہے۔ عقل وجدان کو اکساتی ہے، ہر فلسفی اپنے وجدان کی عقلی تشریح کرتا ہے۔ غلط وجدان کی تشریح غلط ہوگی۔ (۱۷۹)

نبوت اور فلسفہ:

صحیح اور غلط فلسفہ کے جانچنے کے لئے معیار اور کسوٹی ''نبوت'' ہے۔ صحیح فلسفہ

Marfat.com

نبوت کے سچے اور صحیح وجدان کی عقلی و منطقی تشریح اور تفسیر ہے اس لئے وہ صحیح ہے۔ پیغمبر کا وجدان صحیح ترین ہوتا ہے۔ سچے وجدان سے پیدا ہونے والی عقل اعلیٰ ترین اور بلند ترین اور صحیح ترین ہوتی ہے۔ (۱۸۰) کائنات اور انسان کا تعلق ہی قرآن کا بنیادی موضوع ہے اور یہی فلسفہ کا بھی موضوع ہے۔ فلسفہ اور نبوت اور عقل و وحی ایک منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ یہ منزل حقیقت کائنات کی نقاب کشائی ہے۔ کامل نبوت کے بغیر صحیح اور حتمی استدلال پانا بھی ممکن نہیں ہے۔ نبوت، کائنات کی عقلی ترتیب کی تفصیلات کے بجائے صرف ضروری امور کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کمال پر پہنچ کر ہمیں صرف ایک اعلیٰ قسم کے وجدان کی تربیت دیتی ہے جو آگے چل کر عقلی استدلال کا کام دیتا ہے۔ بیسویں صدی میں علم کے تمام شعبوں میں کئی انکشافات کے بعد فلسفہ کو تعلیم نبوت کے قریب آنے کا موقع میسر آ گیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کا فلسفہ کو نبوت سے منسلک کرنا ایک اہم پیش رفت ہے۔ (۱۸۱) بعض مسلمان حلقے اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کرتے کہ تعلیم نبوت کا فلسفے سے کوئی تعلق ہے۔ محمد رفیع الدین کے نزدیک تعلیم نبوت کا صرف ان فلسفوں سے تعلق نہیں جن کا تصور کائنات غلط ہے اور اس بناء پر ان کا استدلال بھی غلط ہے اور دنیا کے اکثر فلسفے اسی قسم کے ہیں۔ تعلیم نبوت خود ایک فلسفہ ہے جو کائنات کے صحیح تصور پر مبنی ہے اور صحیح ہونے کے لئے اس کے اندر استدلال بالقوہ موجود ہے اور حقائق قرآنیہ تفصیلات اور جزئیات کے علم کی ترقی سے آشکارا ہو رہا ہے۔ (۱۸۲) یہی جزئیات اور تفصیلات اس وقت غلط فلسفیانہ تصورات میں ملی ہوئی ہیں اور ان کو قرآنی حقائق کے ساتھ علیحدہ کر کے جوڑ دیں تو یوں دوسرے تصورات کا حکیمانہ ابطال ہو جائے گا یعنی غلط فلسفیانہ تصورات سے جزئیات الگ کرنی ہیں جو قرآن کی تشریح و تعبیر کے کام آتی ہیں۔ (۱۸۳) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی مساعی جو فلسفہ اور نبوت کے ربط کا باعث بنیں ایک بڑا واقعہ قرار دے کر اس کی روشنی میں نتائج مرتب کرنے پر زور دیتے ہیں۔ (۱۸۴)

Marfat.com

وحی اور عقل:

وحی کے بعد عقل کی ضرورت کیا باقی رہ جاتی ہے؟ اس عام اعتراض کے بابت محمد رفیع الدین یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ انسانی ہدایت کے ذریعے کے طور پر انسانی عقل وحی کے مقابلے میں واقعی کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن خدا کی وحی اور انسان کی عقل کے درمیان ایک رشتہ ہے جسے توڑا نہیں جاسکتا۔

اوّل یہ کہ ہم خدا کی وحی کو عقل کی طرف سے وجدان یا یقین کی راہنمائی کے بغیر قبول نہیں کرتے کہ یہ خدا کی وحی ہے اور حق ہے۔ قرآن حکیم نے بار بار عقل کو اسی بابت استعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔ دوسرا عقل ہی کے ذریعے ہم سچے اور جھوٹے نبی کی پہچان کرتے ہیں۔

دوم وحی جو ضبط تحریر میں آتی ہے، ایک علمی و عقلی توجیہہ سے محروم ہو کر ایمان اور عمل پیدا نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی وحی کا اتباع کرنے والے لوگوں کے اعتقادات اور اعمال مختلف ہوتے ہیں۔

سوم خدا کی وحی انسان اور کائنات کی حقیقت سے متعلق ایک صحیح نظریہ عطا کرتی ہے۔ اور فلسفہ کی صورت میں عقل یہ کام کرتی ہے۔ عقل انسانی خدا کی وحی کی قبولیت کے بعد بھی اس کو زیر غور لاتی ہے کہ خدا ہے تو کیسے؟ دراصل ایمان کے باوجود وہ اس کے عقلی استدلال کا متلاشی رہتا ہے۔ (۱۸۵)

نتیجہ بحث:

یہ بات درست ہے کہ استدلال کسی بھی دور میں بے وقعت نہیں ہوا۔ ہر نبی نے اپنی الہامی تعلیم کو لوگوں کے فہم و ادراک کا جز بنانے اور راسخ کرنے کے لئے کئی مثالیں اور دلیلیں پیش کرنے میں جھجک محسوس نہیں کی۔ معجزات بھی حقیقتاً تعلیمات نبوی کی تصدیق کی حتمی دلیل ہیں۔ سوال ہمیشہ یہ رہا ہے کہ منطق و استدلال کی بنیادیں صحیح ہوں۔ اسی بات کو فلسفہ حق

Marfat.com

اور باطل کے تحت محمد رفیع الدین نے نمایاں کیا ہے۔ ان کے نزدیک فلسفہ ان معنوں میں کبھی بھی مسترد نہیں ہوا۔ بے شک اسے فلسفہ نہ کہا جاتا رہا ہو۔ فلسفہ قابل مواخذہ اس وقت بنتا ہے جب وہ صحیح تصور کائنات پر مبنی نہ ہو۔ جیسے یورپ کے اکثر فلسفے انیسویں صدی کی مادی فضا کا نتیجہ ہیں اور غلط اور باطل ہیں۔ عقل اور وجدان انسانی اوصاف سے متعلق ہیں۔ صحیح وجدان عقل ہی کی راہنمائی سے آگے چل کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ نبی کا وجدان سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ اس کا تصور کائنات بھی صحیح ہوتا ہے اور تصور خدا کے عقیدے پر مبنی فلسفہ صحیح ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مطالعہ قرآن وقت کے تقاضوں کے مطابق کیا جائے۔ وقت کے معیارات و استدلات کو نظر انداز کرنے سے کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کا مسئلہ استدلال نہیں بلکہ صحیح تصور کائنات و انسان ہے۔ جبکہ انسان کا مسئلہ استدلال ہے۔ کیونکہ وہ یقین راسخ کرنا چاہتا ہے اس لئے قرآن استدلال کی حوصلہ شکنی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ محمد رفیع الدین بیان کرتے ہیں:

> ''ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ علم جدید کی کوئی ایسی حقیقت جو عہد حاضر کے حکماء کے نزدیک ایک علمی مسلمات میں شمار ہوتی ہے اور جو فی الواقع روح قرآن کے مطابق ہے تحقیقات سے غلط ثابت نہیں ہوسکتی اور اس کے برعکس اس قسم کی کوئی حقیقت جو آشکارہ طور پر روح اسلام کے منافی ہے، آخر کار تحقیقات سے صحیح ثابت نہیں ہوگی''۔ (۱۸۶)

فلسفہ اِنسان کی کہانی ہے۔ اِنسان کی تخلیق کا امتیازی وصف عقل ہے۔ عقل غور و فکر کا ذریعہ ہے۔ غور و فکر کا میدان پھیلی ہوئی کائنات بھی ہے اور خود حضرت اِنسان کی داخلی دنیا بھی ہے۔ غور و فکر اِنسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ تفکر کی سطحوں اور درجوں میں فرق ہوسکتا ہے لیکن اِنسانی تفکر ایک حقیقت تھا۔ اِنسانی دانش و بصیرت ایک باقاعدہ ارتقائی و تدریجی تاریخ رکھتی ہے۔ کبھی انسان کائنات کے مظاہر کو خدا سمجھتا ہے کیونکہ اُس کی دانش و بصیرت کی بلندی ان مظاہر کی اس حقیقت تک نہیں پہنچتی تھی کہ یہ خدا نہیں بلکہ خدا کے مظاہر ہیں اور آج

Marfat.com

انسان خدا کے ان تمام مظاہر کو اپنی دسترس میں پاتا ہے اور انسان کی شعوری سطح اتنی بلند ہوگئی ہے کہ وہ کسی حقیقی ذات مطلق کو کہیں مزید آگے ڈھونڈنے نکلا ہے۔ انسان کی یہ جستجو ہی دراصل اُس کی دانش و بصیرت کی منزل ہے۔ انسانی دانش و بصیرت کے اختیار کردہ منظم راستے اور مسافتیں اصطلاحاً فلسفہ کہلاتی ہیں۔

دوسرا میدان حضرت انسان کی ذات ہے۔ بقول ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کبھی انسان صرف یہ سوچتا تھا کہ کائنات کیا ہے اور اب یہ سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ نفس انسان بذات خود ایک کائنات ہے۔ کسی نے خوب کہا کہ میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں۔ میں ہوں، اس لئے میں سوچتا ہوں۔ قرآن مجید میں انسان کی پیدائش کے عمل میں مٹی، پانی، قطرہ، خون، ہڈی اور گوشت سب کا مختلف انداز سے ذکر ہے۔ حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم کی باقاعدہ حد بندی کر کے انسان کے حیاتی پہلو اور اُس کے ذہنی و عقلی پہلوؤں کو ضابطے میں لانے کی خصوصاً آخری دوصدیوں میں سعی کو بھی اصطلاحاً فلسفہ کہا گیا ہے۔

انسانی دانش و بصیرت کے کامیاب ارتقاء کا سفر مطلق آزادانہ عقلی سفر ہے یا عقل انسانی اپنی منزل کی بصیرت اور جدوجہد کے لئے ماحول، وقت اور ذات مطلق کی طرف سے جاری نظام ہدایت سے روشنی لیتی رہی ہے۔ دراصل اس سوال کا جواب یہ طے کرتا ہے کہ قرآن مجید اور فلسفہ کا تعلق کس قدر گہرا ہے۔

انسان ماحول سے سیکھتا ہے اور ماحول انسان پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ جدید مشاہدے اور تجربے نے اِسے ایک علمی رتبہ دیا ہے۔ وقت تاریخ مرتب کرتا ہے۔ ایک نسل انسانی جو حاصل کرتی ہے اگلی انسانی نسل اُسے محفوظ کر کے مزید اعلیٰ منزلوں کی طرف پرواز جاری رکھتی ہے۔

انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی خالق انسان کی طرف سے انسان کی شعوری سطح کے مطابق نظام ہدایت جاری و ساری ہوگیا تھا۔ فلسفہ اسے تسلیم کرتا ہے۔ خدائی نظام ہدایت کا سفر بصورت وحی قرآن مجید پر آ کر منتج ہوتا ہے۔ وحی بیک وقت انسان کو دونوں میدانوں میں

Marfat.com

مطلوب راہنمائی فراہم کرتی آئی ہے اور قرآن مجید بھی کائناتی اور داخلی راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآن کو پانچ علوم میں تقسیم کیا ہے۔ جس کے مطابق اِنسان اور کائنات کی تاریخ، اُس کا ارتقاء اور کائنات کے مظاہر کے جستہ جستہ نقوش قرآن مجید نے بیان کیے ہیں۔ ان نقوش کی تلاش و ربط کے لئے سعی عقل اِنسانی پر چھوڑ دی ہے۔

اِنسان داخلی طور پر اپنی عقل کی ترقی اور بصیرت کی بلندی کے لئے وحی و مذہب کے باطنی پہلو سے استفادہ کرتا آیا ہے۔ عقل، وجدان او روحی کی ایک بحث موجود ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد رفیع الدین (۱۸۷) عقل خود علم حاصل نہیں کرسکتی بلکہ وجدان کی محض خدمت گذار ہے۔ عقل وجدان کو اُکساتی ہے۔ وجدان ایک حقیقت کو ایک وحدت کے طور پر دیکھتا ہے۔ عقل اُس کا تجزیہ کرتی ہے اور اُس کے اندرونی عناصر اور اجزاء کی تنظیم اور ترتیب کو دیکھتی ہے اور دکھاتی ہے۔

وجدان صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ مگر عقل اس کو صحیح نہیں کرسکتی۔ وجدان اپنی اصلاح خود کرتا ہے اور اُس کا ذریعہ وحی ہے۔ عقل زیادہ سے زیادہ وجدان کے لئے وحدتوں کے نئے عناصر اور سوال سامنے لاسکتی ہے۔

وحی وجدان کو راہنمائی اور یقین دلاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (۱۸۸) وحی کی حیثیت اس ارادہ الٰہی کی مظہر کی ہے جو اِنسانی استعدادوں کے نقص اور اس کی فطرت کی کوتاہیوں کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ وحی کے ذریعے ناقابل مشاہدہ حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کائنات کے تخلیقی تغیرات منکشف ہوتے ہیں۔

وحی و عقل اور مذہب کے درمیان توازن قرآن پاک کا عظیم کارنامہ ہے۔ قرآن کے باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی یہی بڑی وجہ ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۸۹) کے مطابق یہ عدم توازن تاریخ میں کئی بار اِنسان کو بے نتیجہ کرچکا ہے۔ اِنسان کبھی عقل کو مکمل طور پر خیر باد کہہ کر اپنی دانست میں محض وحی کو اپناتا ہے اور کبھی وحی کو مکمل طور پر خیر باد کہہ کر محض عقل پر بھروسہ کرتا ہے۔ قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جس نے خالص دینی معاملات میں عقل کو اور

Marfat.com

خالص دنیاوی معاملات میں وحی کی راہنمائی کو مناسب اور مؤثر کردار عطا کیا۔

جدید غلط فلسفیانہ نظریات کا ابطال وحی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ قرآن مجید عقل و تدبر اور علم و دانش کو پوری طرح بروئے کار لانے پر زور دیتا ہے۔ قرآن فلسفہ سے قطعی غیر نہیں ہے۔ یہ ہماری ملی غلطی ہے کہ ایک موقع پر مسلمانوں نے فلسفہ یعنی عقل و تدبر اور علم و دانش سے محض اس زعم میں خود کو الگ کر لیا کہ انہوں نے وحی کو مکمل طور پر اپنا لیا ہے۔ عقل و خرد کا اب کیا کام۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے شائد مسلمانوں کے اِسی رویّے کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے۔ وحی ذات مطلق کے لفظ ہیں اور معنوں کا سمندر اُن لفظوں میں موجزن ہے۔ وحی کے لفظوں کے معنی وقت اور فاصلے کی مناسبت سے کھُلتے جائیں گے۔ اِنسان کی عقل و وجدان ہی وحی کے معنوی سمندر سے اِنسانیت کے لئے قیمتی موتی تلاش کرتے جائیں گے۔

قرآن مجید کی حجیت کا تقاضا ہے کہ عقل و تدبر اور علم و دانش کی نئی جہتوں کو روشناس کرایا جائے۔ مغرب کے جدید اور غلط فلسفوں کا ابطال ممکن ہے اور اُن میں جو صداقتیں موجود ہیں اُنہیں محض فلسفہ قرار دے کر رد کر دینے کی روش پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ محمد رفیع الدین (۱۹۰) کے مطابق قرآن کے ظاہری لفظوں سے آج کے باطل کی تردید ممکن نہیں ہے اور نہ اس کی تردید قرآن کی گذشتہ تفسیروں یا ماضی کے مسلمان فلسفیوں کے ہاں موجود ہے۔ ان کی تردید فقط قرآن کے مطالب اور معانی کے اندر مخفی ہے۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ پروفیسر محمد شریف ،اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی جلد۱، رائل بک کمپنی کراچی ص۹۴

۲۔ ......ایضاً...... ص P 100

۳۔ پاولسن ''مقدمہ ومسائل مقدمہ'' ترجمہ احسان احمد، سٹی بک پوائنٹ اردو بازار کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۷

۴۔ ولیم جیمز ''فلسفہ نتائجیت'' ترجمہ عبدالباری۔نفیس اکیڈمی کراچی ،۱۹۸۲ء ص ۱

۵۔ ڈاکٹر ڈی ایسن رابنسن ''مقدمہ فلسفہ حاضرہ'' ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین ،سنگ میل لاہور، 1995ء، ص ۲۵

۶۔ پاولسن ''مقدمہ ومسائل مقدمہ'' ترجمہ احسان احمد سٹی بک پوائنٹ اردو بازار کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۱۲

۷۔ الفرڈ ویبر، تاریخ فلسفہ، ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء ص ۱

۸۔ ول ڈیورنٹ ''نشاط فلسفہ'' ترجمہ ڈاکٹر محمد اجمل، فکشن ہاؤس لاہور ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۵

۹۔ امانوئل کانٹ ''تنقید عقل محض'' ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین، سٹی بک پوائنٹ کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۹

۱۰۔ برٹرینڈ رسل ''فلسفہ مغرب کی تاریخ'' ترجمہ پروفیسر محمد بشیر، یورپ اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵

۱۱۔ دو بوائر، ''تاریخ فلسفہ اسلام''، ترجمہ ڈاکٹر سید عابد علی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۴۶

۱۲۔ ڈیوڈ ہیوم، فہم انسانی، ترجمہ عبدالباری ندوی، بک ہوم لاہور، ۲۲۰۰۵ء ص ۳۶

۱۳۔ ڈاکٹر میر ولی الدین ''قرآن اور فلسفہ'' بحوالہ مرتبہ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی ''علوم القرآن''

۱۴۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ''داستان دانش'' انجمن ترقی اردو کراچی، 2000ء ص ۱۰

۱۵۔ تفصیل کے لئے انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، جلد ۲۵، ص ۳۳۷ پر ملاحظہ کریں۔

۱۶۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ ''اسلام وفلسفہ'' سن ندارد، ص ۲۶

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۸۔ قرآن اور علم جدید، چھٹا ایڈیشن، ص ۹۴

۱۹۔ ایضاً ، چھٹا ایڈیشن، ص ۱۱۰

۲۰۔ سورۃ البقرۃ 5-1 سورۃ مومن ،1 ،البقرۃ ۹۷ ،البقرۃ ۲۳ علاوہ متعدد آیات قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں ان سطور میں صرف ایک آیت کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۲۱۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد اول، ایڈیشن ۴۲ جون ۲۰۰۶ء

۲۲۔ مولانا محمد حنیف ندوی مطالعہ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، مارچ 1998ء، ص ۲

۲۳۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ ''فلسفہ اسلام''، ص ۳۴

۲۴۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، ''محاضرات قرآنی''، الفیصل لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۴۸

۲۵۔ ''قرآن اور علم جدید'' چھٹا ایڈیشن، ص ۸۰

Marfat.com

۲۶۔ پروفیسر محمد شریف ''ہسٹری آف مسلم فلاسفی'' جلد ا، رائل بک کمپنی کراچی، ص ۱۳۴

۲۷۔ ایم اے ڈراز'' Introduction to the QURAN ''(انگریزی)، ٹی-B، تورِیز پبلشر، لندن، ۲۰۰۰ء، ص ۶۷

۲۸۔ حکمت اقبال دیباچہ ملاحظہ کریں۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۸۵

۳۰۔ ایضاً، ص ۸۶

۳۱۔ قرآن اور علم جدید، چھٹا ایڈیشن، ص ۲۹۲

۳۲۔ ''سائنس کی دینیات''، مرتب چوہدری مظفر حسین، ص ۲۴

۳۳۔ ایضاً، ص ۸

۳۴۔ ''فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن''، جلد ۲، ص ۱۷۶

۳۵۔ ''حکمت اقبال''، ص ۱۷

۳۶۔ قرآن اور علم جدید، ص ۶۴

۳۷۔ ایضاً، ص ۴

۳۸۔ ایضاً، ص ۸

۳۹۔ ایضاً، ص ۴

۴۰۔ ایضاً، ص ۴

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۹

۴۲۔ قرآن اور علم جدید، ص ۶۶

۴۳۔ ایضاً، ص ۴

۴۴۔ حکمت اقبال، ص ۲۹

۴۵۔ فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن جلد ۲، ص ۱۲۵ تا ۱۲۹، عقل و وجدان پر ان سطور میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۴۶۔ اقبالؒ کا فلسفہ، ''اقبال ریویو''، جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۳۷

۴۷۔ حکمت اقبال، ص ۱۲۔ عقل اور وجدان پر ان سطور میں تفصیلی بحث ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۴۸۔ آئیڈیالوجی آف دی فیوچر، ص ۳۲

۴۹۔ قرآن اور علم جدید، ص ۲۹۱

۵۰۔ کلیمنٹ سی جے ویب، تاریخ فلسفہ، ترجمہ احسان احمد، بک ہوم لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۸

۵۱۔ الفرڈ ویبز، تاریخ فلسفہ، ص ۵

۵۲۔ مولانا محمد حنیف ندوی، تہافۃ الفلاسفہ، ص ۵، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۵ء، ص ۵

۵۳۔ پروفیسر شیومومس لعل ماتھر ''فلسفہ کیا ہے'' مرتب ڈاکٹر وحید عشرت، سنگ میل لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۶۳۶

Marfat.com

۵۴۔ ڈاکٹر ویلیلم نیسل، ''فلسفہ کیا ہے'' مرتب ڈاکٹر وحید عشرت، سنگ میل لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۳۹۵
۵۵۔ کلیمنٹ، ص ۸
۵۶۔ الفرڈ ویبر، ص ۶
۵۷۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ''داستان دانش''، انجمن ترقی اردو، کراچی۔ ص ۱۰
۵۸۔ سقراط کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کوئی تحریر نہیں چھوڑی بلکہ دوسروں کے ذریعے اس کے متعلق معلوم ہوا تفصیل کے لیے کلیمنٹ کی تاریخ فلسفہ ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ص ۲
۵۹۔ کلیمنٹ، تاریخ فلسفہ، ص ۲۰
۶۰۔ ایضاً، ص ۲۵
۶۱۔ ایضاً، ص ۲۳
۶۲۔ ایضاً، ص ۲۶
۶۳۔ ایضاً، ص ۳۳
۶۴۔ ایضاً، ص ۳۴
۶۵۔ برٹرینڈ رسل ''فلسفہ مغرب کی تاریخ'' یورب اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۰
۶۶۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ''داستان دانش'' انجمن ترقی اردو کراچی، ص ۶۸
۶۷۔ برٹرینڈ رسل، ص ۱۴۳
۶۸۔ ایضاً، ص ۱۶۴
۶۹۔ ایضاً، ص ۲۵۷
۷۰۔ برٹرینڈ رسل، ''فلسفہ مغرب کی تاریخ''، ص ۴۹۷
۷۱۔ عبدالجبار ڈیز، ''اسلامی روایت'' ص ۲۹۷
۷۲۔ ایضاً، ص ۲۹۸
۷۳۔ عبدالسلام ندوی ''حکمائے اسلام''، ص ۱۹
۷۴۔ القفطی، تاریخ الحکماء، ترجمہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۹۲ء ص ۳۶۷
۷۵۔ برٹرینڈ رسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص ۴۹۶
۷۶۔ دوبوائر، تاریخ فلسفہ اسلام، ص ۱۳
۷۷۔ عبدالجبار ڈیز، اسلامی روایت، ص ۳۰۲
۷۸۔ ایضاً، ص ۳۰۱
۷۹۔ برٹرینڈ رسل، ص ۴۹۲
۸۰۔ دوبوائر، تاریخ فلسفہ اسلام، ص ۹۵

Marfat.com

۸۱۔ ایضاً،ص ۹۵
۸۲۔ ڈی اولیری،ص ۱۳۷
۸۳۔ سید حسین نصر''اسلام میں سائنس وتہذیب'' ترجمہ، ہمدرد کراچی،ص ۴۴، (باب ۱۱) ۸۴۔القفطی،ص ۴۸۳
۸۵۔ ڈی اولیری ''فلسفہ اسلام'' بک ہوم لاہور، ۲۰۰۳ء،ص ۱۳۸
۸۶۔ جمال الدین القفطی، ''اخبار الحکماء، ص ۳۷۷
۸۷۔ عبدالسلام ندوی، ''حکمائے اسلام''، ص ۱۲۱
۸۸۔ دوبوائر، تاریخ فلسفہ اسلام، ص ۱۰۲
۸۹۔ محمد حنیف ندوی ''مقدمہ تہافتہ الفلاسفہ''، ص ۲۰
۹۰۔ دوبوائر تاریخ فلسفہ اسلام، ص ۱۲۵
۹۱۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۂ اسلام، ص ۷۳
۹۲۔ عبدالجبار ڈیز، اسلامی روایت، ص ۳۰۳
۹۳۔ ایضاً،ص ۳۰۷
۹۴۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص ۵۰۰
۹۵۔ ایضاً،ص ۴۹۷
۹۶۔ کلیمنٹ، تاریخ فلسفہ، (ترجمہ)، ص ۱۹
۹۷۔ ایضاً،ص ۹۳
۹۸۔ ایضاً،ص ۹۵ تا ۹۹
۹۹۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ،ص ۱۰۲-۱۲۴
۱۰۰۔ ڈیکارٹ، "Mediation on the First Philosophy" (۱۶۴۱ء)، صفحات ۲۹۵
۱۰۱۔ ڈیکارٹ، Principles of Philosophy، (۱۶۴۴ء)
۱۰۲۔ کلیمنٹ کی ''تاریخ فلسفہ اور قاضی قیصر الاسلام ''تاریخ فلسفہ مغرب'' (جلد اوّل)، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ص ۲۵۷
۱۰۳۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص ۶۵۷
۱۰۴۔ ایضاً،ص ۶۶۹
۱۰۵۔ قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب، جلد اوّل، ص ۲۸۳
۱۰۶۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ،ص ۶۷۰
۱۰۷۔ کلیمنٹ، تاریخ فلسفہ،ص ۱۲۳
۱۰۸۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ،ص ۶۸۶

Marfat.com

۱۰۹۔ برٹرینڈرسل، ایضاً ص ۶۹۸۔ برٹرینڈرسل نے جان لاک کے نظریے پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔

۱۱۰۔ ایضاً، ص ۷۴۳

۱۱۱۔ ایضاً، ص ۷۵۶

۱۱۲۔ ایضاً، ص ۷۸۵

۱۱۳۔ ایضاً، ص ۸۰۵

۱۱۴۔ کلیمنٹ، ص ۱۴۱

۱۱۵۔ برٹرینڈرسل، ص ۸۷۵

۱۱۶۔ ایضاً، ص ۸۵۸

۱۱۷۔ کلینٹ، تاریخ فلسفہ، ص ۱۷۱

۱۱۸۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص ۸۲۳

۱۱۹۔ کلیمنٹ، تاریخ فلسفہ، ص ۱۵۴

۱۲۰۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۲۱۔ برٹرینڈرسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص ۸۸۰

۱۲۲۔ ایضاً، ص ۸۸۲

۱۲۳۔ ایضاً، ص ۸۸۴

۱۲۴۔ ڈارونیت اب ایک علمی سوال ہے۔ یہ مذہبی مسئلہ نہیں ہے۔

۱۲۵۔ برٹرینڈرسل، ص ۸۸۸ تا ۸۹۱، مارکس کی فکر پر مزید مطالعے کے لئے MARXIST PHILOSOPHY AND MODERN SCIENCE) مفید ہے۔ جس کا ترجمہ مارکسی فلسفہ اور جدید سائنس کے نام سے اردو میں فکشن ہاؤس لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے کتاب کے مصنف ایلن ووڈز (Alan Woods) اور ٹیڈ گرانٹ (Ted Grant) ہیں۔

۱۲۶۔ ایضاً، ص ۷۹۷ تا ۸۹۹ اس ضمن میں ہنری برگسان کی کتاب ''تخلیقی ارتقاء'' مفید ہے۔ جس کا ترجمہ مقتدرہ قومی زبان میں ۱۹۹۹ء میں کیا۔

۱۲۷۔ برٹرینڈرسل ، فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص ۹۱۷

۱۲۸۔ ایضاً، ص ۹۲۸

۱۲۹۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ''فلسفہ تاریخ'' ص ۴۵

۱۳۰۔ ایضاً، ص ۳۴

۱۳۱۔ ڈاکٹر ڈی ایس رابنسن، مقدمہ فلسفہ حاضرہ: ڈاکٹر میر ولی الدین۔ سنگ میل لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۸۰-۸۶

۱۳۲۔ پاولسن ''مقدمہ و مسائل مقدمہ'' ترجمہ احسان احمد۔ سٹی بک پوائنٹ کراچی، ۲۰۰۴ء ص ۴۰-۴۳

Marfat.com

۱۳۳۔ ڈاکٹر ہیرلڈ ہولڈنگ ''تاریخ فلسفہ جدید'' ترجمہ کا ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ۱۹۸۷ء، ص ۲-۳

۱۳۴۔ محمد ﷺ آخری نبی اور قرآن آخری کتاب ہے۔ یہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی ہے اور ایمان کا حصہ بھی۔ ۱۴ سو سال گذرنے کے باوجود کوئی نقلی اور عقلی استدلال مسلمانوں کے اس دعوے اور ایمان کو جھٹلا نہیں سکا ہے۔

۱۳۵۔ پروفیسر ایم ایم شریف، "A History of Muslim Philosophy" Vol.1, p136

۱۳۶۔ مولانا محمد حنیف ندوی ''مقدمہ تہافت الفلاسفہ'' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۵-۱۰

۱۳۷۔ ''الفوز الکبیر'' کے اصل نسخہ کے علاوہ اردو میں متعدد تراجم موجود ہیں جبکہ انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۳۸۔ ''قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اہم مضامین'' ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مضمون اس موضوع پر استدلالی نقطہ نظر سے اہم ترین مضمون ہے۔ قرآنی آیات کو بیان کرنے کے بجائے علمی وفکری اور استدلالی انداز سے 'قرآن اور فلسفہ کے مشترکہ مضامین کی نشاندہی کی ہے'۔

۱۳۹۔ محمود احمد غازی ''محاضرات قرآنی''، ص ۳۴۸

۱۴۰۔ ایضاً، ص ۳۴۷

۱۴۱۔ ایضاً، ص ۳۵۷

۱۴۲۔ ایضاً، ص ۳۵۷۔ عقائد پر تفصیلی بحث ہے۔

۱۴۳۔ ایضاً، ص ۳۶۶۔ شریعت کے قواعد وضابط مراد ہے۔

۱۴۴۔ ایضاً، ص ۳۶۸۔ عبادت وتصوف مراد ہے۔

۱۴۵۔ ایضاً، ص ۳۷۳

۱۴۶۔ ایضاً، ص ۳۷۳

۱۴۷۔ سورہ البقرہ، آیت ۲-۱۶۴

۱۴۸۔ ایضاً، آیت ۲-۴۴

۱۴۹۔ ایضاً، آیت ۲۔۲۲۰

۱۵۰۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش چھ دنوں میں ہوئی۔ الاعراف۔۵۴ کے علاوہ سورہ ھود۔۷، الفرقان۔۵۹، السجدہ۔۴، سورہ ق۔۳۵، الحدید۔۴، میں بیان کیا۔

۱۵۱۔ سورہ الشوریٰ ۱۱۔ اس کے علاوہ سورہ مریم ۶ ۵ سورہ اخلاص ۴ (ولم یکن لہ کفوا احد) سورۃ الانعام ۱۰۳ (لاتدرکہ الابصار)

۱۵۲۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۶۳ کے علاوہ اس سورت کی آیت ۲۵۵، سورہ آل عمران کی چار آیات (۲،۶،۱۸،۶۲) اس امر کو بیان کرتی ہیں۔

۱۵۳۔ پروفیسر میاں محمد شریف۔ اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی، ص ۱۳۶

Marfat.com

۱۵۴۔ پروفیسر محمد شریف نے قرآن اور فلسفہ کے مشترکہ موضوعات کے تحت جو تفصیلات بیان کی ہیں، اُس میں قرآن مجید کی متعدد دوسری آیات کا حوالہ موجود ہے۔ یہاں صرف ایک آیت کا حوالہ مقصود ہے۔ ''اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی'' جلد ا، ص ۱۳۷

۱۵۵۔ پروفیسر محمد شریف۔ اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی۔ مضمون بی۔اے ڈار: Ethical Teachings of the Quran ص ۱۵۵

۱۵۶۔ ایضاً ص ۱۵۷

۱۵۷۔ اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی بی۔اے ڈار ص ۱۶۲

۱۵۸۔ ایضاً ص ۱۷۸

۱۵۹۔ مولانا مودودی کا یہ مقالہ پروفیسر میاں محمد شریف نے اسلام کے بنیادی تصورات کے حوالے سے منتخب کیا ہے جن سے انسانی زندگی کے ان مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے جو انسان کی غور و فکر کا مرکز بن کر فلسفہ کا روپ دھارتے ہیں۔

۱۶۰۔ اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی۔ مضمون مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۱۹۱

۱۶۱۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، ''محاضرات قرآنی''، ص ۲۱

۱۶۲۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ''قرآن اور اس کے زندہ مسائل، ص ۵۳

۱۶۳۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرتب) مقالات شبلی ''جلد ہفتم'' نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۹ء، ص ۹۴

۱۶۴۔ قرآن اور علم جدید چھٹا ایڈیشن، ص ۹۴

۱۶۵۔ قرآن اور علم جدید، ص ۸۱

۱۶۶۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۶۷۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۶۸۔ حکمت اقبال، ص ۵

۱۶۹۔ ایضاً، ص ۷

۱۷۰۔ قرآن اور علم جدید، ایڈیشن چھ، ص ۱۱۰

۱۷۱۔ حکمت اقبال، ص ۳۱

۱۷۲۔ قرآن اور علم جدید، ص ۲۴۴

۱۷۳۔ ایضاً، ص ۲۴۵

۱۷۴۔ ایضاً، ص ۲۴۲

۱۷۵۔ وجدان اور عبادت اسلامی، تعلیم، مئی جون ۱۹۷۲: ۵

۱۷۶۔ ایضاً، ۷-۸

Marfat.com

۱۷۷۔ فرسٹ پرنسپل آف ایجوکیشن (ترجمہ)، جلد۲: ۱۲۵

۱۷۸۔ اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار: ۴۴

۱۷۹۔ پاکستان کا مستقبل، آل پاکستان ایجوکیشن کانگرس لاہور: ۷۹-۷۱

۱۸۰۔ پاکستان کا مستقبل: ۷۱

۱۸۱۔ اقبال کا فلسفہ خودی اسلامی تعلیم، جلد۱۳ شمارہ۶، نومبر دسمبر ۱۹۷۴ء: ۱۰

۱۸۲۔ قرآن اور علم جدید، ص ۷۵

۱۸۳۔ ایضاً، ص ۷۸

۱۸۴۔ اقبال کا فلسفہ خودی اسلامی تعلیم نومبر دسمبر ۱۹۷۴ء: ۱۱ قرآن اور علم جدید، ص ۷۹

۱۸۵۔ اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، ۱۳-۱۵

۱۸۶۔ قرآن اور علم جدید، ص ۸۸

۱۸۷۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۱۸۸۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ''قرآن اور اُس کے زندہ مسائل''، ص ۴۸

۱۸۹۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، ''محاضرات قرآنی''، ص ۲۱

۱۹۰۔ قرآن اور علم جدید، ص ۱۱۹

Marfat.com

حصہ سوم

دانش اور دانش

فکرِ اسلامی اور نظریات فلسفہ کے تحت گزشتہ سطور میں بات کی گئی ہے۔ اب مجرّد فلسفہ پر گفتگو ہوگی بلکہ فلسفی کا تذکرہ وحوالہ نہیں ہوگا محض اور محض فلسفہ وفکر پر بات ہوگی اور اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ آیا فلسفہ میں واقعی کوئی ایسا مواد ہوسکتا ہے جو فکر اسلامی کے مغائر ہے یا وہ فکر اسلامی کی قدر میں کمی کا باعث بن سکتا ہے یا پھر فلسفہ ایک معیار و میزان ہے جس کو جو علمی مواد فراہم کیا جائے گا وہ اس کی علمی تنظیم قائم کردے گا اور اُس کی قدر وقیمت کو بھی نمایاں کردے گا۔

''دانش سے محبت''، ''حقیقت کی تلاش''، ''سچ سے محبت'' فلسفہ کے لغوی معنی ہیں مگر یہ سب علم کے راستے ہیں۔ گویا علم حاصل کرتے کرتے جو کوئی اپنے تئیں یعنی غور وفکر اور عقلی دلیل کے تحت کسی سچائی کو پالیتا ہے اور پھر اسے انسانوں کے لیے مفید کرنے کے لیے علم کے الفاظ اور اصطلاحوں کو استعمال کرکے بیان کرتا ہے، اُس کو آپ فلسفی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب جو کوئی سچ کو پانے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ ماہر طبیعیات (Physicist)، ماہر

Marfat.com

حیاتیات (Biologist)، ماہر نفسیات (Pshychologist)، ماہر سیاسیات (Politician)، ماہر حسابات (Mathematican)، ماہر مابعدالطبعیات (Metaphysician)، ماہر قرآن (مفسر)، ماہر حدیث (محدث)، ماہر شریعت (مفتی) اور ماہر روحانیت (صوفی) ہوتا ہے۔ یہ سب علم کے مسافر ہیں۔ علم کی راہ پر چلتے ہیں جو سچ پانے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ نئی سچائی نئی معلومات ہوتی ہیں۔ کئی خداؤں سے ایک خدا کی طرف مراجعت نئی سچائی ہے۔ جو انسان نے دریافت کر لی ہے حالانکہ ایک خدا کی سچائی نئی نہیں ہے انسانی دریافت نئی ہے۔ ایک خدا کی سچائی کا فہم وادراک کسی ماہر قرآن، کسی ماہر حدیث، کسی ماہر شریعت، کسی ماہر مابعدالطبعیات، ماہر حسابات، کسی ماہر سیاسیات، کسی ماہر نفسیات، کسی ماہر حیاتیات اور کسی ماہر طبعیات کو اپنے اپنے علمی رستوں پر چلتے چلتے مختلف جہتوں سے ہوتا ہے۔ ایک خدا کی سچائی کا فہم وادراک ہر حاصل علم کا بنیادی نقطہ ہے۔ فکر اسلامی میں اسی حاصل کو فلسفہ توحید کا نام دیا گیا ہے۔ اوپر جتنے ماہرین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ فلسفہ توحید اُن میں سے ہر ایک کا حاصل ہے یا کچھ کا اس سے قدرے مختلف حاصل ہے مگر وہ سب اپنے میدان ومضمون کے فلسفی کہلائیں گے اور خدا کے ایک ہونے یا قدرے مختلف ہونے کو عقلی استدلال سے بیان کریں گے۔ وہ اُن کا فلسفہ ہوگا۔

فلسفہ، فلسفی کا ہوتا ہے۔ فلسفی انسان ہوتا ہے۔ وہ ذہین وفطین طالب علم ہوتا ہے۔ جس میدان یا مضمون میں جا کر وہ حقیقت کی تلاش کرتا ہے اور اپنے تمام جسمانی وروحانی جوہر استعمال کر کے کسی حقیقت یا سچائی کو پالیتا ہے تو وہ اپنے میدان یا مضمون کا فلسفی کہلاتا ہے اور جب اُسے کسی زبان اور اُس کی اصطلاحوں میں ایک باقاعدہ ترتیب وتنظیم سے بیان کرتا ہے یا لکھتا ہے تو وہ فلسفہ کہلاتا ہے۔ فلسفہ کسی بھی زبان کی متعین علمی اصطلاحوں میں بیان ہوتا ہے جو مادہ، جوہر، حالت اور حدود علمی پر مشتمل ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ فلسفہ یا فلاسفی کا آغاز کسی زبان کی طے شدہ اصطلاحوں یا لفظوں (Epistemology) سے ہوتا ہے۔ علم سے مواد حاصل کیا جاتا ہے اور اس کا اظہار طبعیات (وجود) ومابعدالطبعیات (غیر وجود) میں ہوتا ہے۔

فلاسفی میں زبان، اصطلاح اور حاصل تجربی علم کی تنظیم ورابطہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

Marfat.com

زبان۔ زبان اظہار کا نام ہے۔ حیوان ناطق کا لقب انسان نے قوت اظہار کے وصف کی بناء پر پایا ہے اور قرآن حکیم نے اسی وصف کو بنیاد بنا کر انسان کو اشرف المخلوقات کے رتبہ سے نوازا ہے۔ زبان جہاں کہیں انسان بولتے ہیں، مختلف ہوتی ہے۔ البتہ ہر زبان ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے اور آہستہ آہستہ توانائی والے لفظ ایجاد کر لیتی ہے۔ یہ طاقت ور الفاظ بڑے معنی و مفہوم کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک طاقت ور لفظ کی ادائیگی سے پوری معنوی کتاب ترتیب پاتی ہے۔ عربی کا لفظ توحید ہے۔ یہی اُردو و فارسی میں استعمال ہو کر تقریباً اسی اصطلاح میں دنیا کی متعدد زبانوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہزاروں کتابیں اس کے معنی و مفہوم پر لکھی گئی ہیں مگر توحید کا لفظ بولنے سے اُن ساری کتابوں کی معنویت اس ایک لفظ میں سما جاتی ہے اور پھر ہر کتاب کا ٹائٹل بن جاتا ہے کہ اس میں توحید کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ توحید سے متعلق علم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اصطلاح۔ معنوی کتاب کی تکمیل کے بعد جب اسے ایک طاقت ور لفظ سے عیاں کیا جائے گا تو وہ اُس زبان کی ایک اصطلاحی علامت کے طور پر سامنے آئے گی۔ اسی کو اصطلاح (Epistemology) کہا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو ''علم کی سائنس'' (Science of Knowledge) کہا جاتا ہے۔ گویا علم کی تفصیل کو چند یا ایک، طاقت ور لفظوں میں سمو دیا جائے گا۔ یہ علم کائنات، اس میں جاری زندگی اور اس کی حقیقت سے متعلق ہوسکتا ہے۔ کائنات کے ہر ذرے کا الگ علم ہے۔ جاری زندگی کی ہر حرکت کا وسیع علم ہے۔ یہ علم آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ طاقت ور لفظوں میں سمٹ رہا ہے مگر کائنات اور زندگی کی وسعت و پھیلاؤ ہر علم میں کمی کو عیاں کر کے انسان کو آگے کی طرف جدو جہد جاری رکھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ گویا کسی بھی زبان کے طاقت ور الفاظ و اصطلاح فلاسفی کی بنیاد ہے۔ دوسرے لفظوں میں منظم علم کے اظہار کا بنیادی ذریعہ ہے۔ منظم علم کی عمارت کسی بھی زبان کی اصطلاحوں پر رکھی جاتی ہے اور منظّم علم ہی کو فلسفہ کہا جاتا ہے۔ توحید کے لفظ و اصطلاح سے ایک خدا کی بات

Marfat.com

عیاں ہوتی ہے۔اس لئے اسے فلسفہ توحید کا نام دیا جاتا ہے۔

تجربی علم۔ انگریزی کا لفظ سائنس (Science) جدید دنیا اور جدید علم میں ایک علمی اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اور تقریباً دنیا کی ہر زبان میں یہی لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ محدود معنوں سے لامحدود معنوں تک بیان کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر انسان کے محسوسات و مدرکات کی بنیاد پر تجربہ کے عمل سے گزرنے کے بعد حاصل معلومات کو منظم انداز سے بیان کرنے کا نام سائنس ہے۔ سائنس ایک نہیں ہے بلکہ کائنات کے ذرے سے لے کر پوری کائنات کے خالق سمیت ہر جزو وکل کے الگ الگ تجربی علم کو سائنس ہی کہا جائے گا۔ مثلاً علم ہیئت (Astronomy) فزکس (Physics)، کیمسٹری (Chemistry) مادی علم (Material Science) وغیرہ۔ مظاہر زندگی کی سائنس یا تجربی علم کو حیاتیاتی سائنس (Biological Science) کہا جاتا ہے۔ باٹنی، زوالوجی اس کے نمایاں علم ہیں۔ ذہنی مظاہر جنہیں نفسیاتی عمل کا نام بھی دیا جاتا ہے، انسان کی فکری و عملی کوشش اور تجربہ اس ذیل میں بیان کیا جاتا ہے جسے سائیکالوجی اور سوشیالوجی جیسا جدید سائنسی نام دیا گیا ہے۔ انسانی رویہ اس کا بنیادی علم ہے۔ مذہبی تجربات و مشاہدات کو جدید علم نے زیادہ جگہ نہیں دی ہے مگر مذہبی تجربات و مشاہدات انہیں اصطلاحوں کے تحت ہی آتے ہیں۔ مختصراً سائنس یا تجربی علم کو چند نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ تجربی علم یا سائنس کائنات کے ہر حصہ کو الگ الگ اور پھر کل کی صورت کو تجربات و مشاہدات سے معلومات کو حاصل کرتا ہے۔

۲۔ اشیاء یا وجود کی وہ صورت سامنے لانا جو محض انسانی تجربہ و مشاہدہ میں آتی ہے۔

۳۔ مشاہدات و تجربات انسانی کے ساتھ انسانی عقل کا استعمال کرنا۔

۴۔ انسان اپنے عقل کے ہتھیار سے لیس ہو کر اشیاء کے تجربات و مشاہدات سے گزر کر ایک عمومی سچ تک پہنچ جاتا ہے اور یہ علم فلسفہ کہلاتا ہے۔

Marfat.com

اسی بات کی مزید وضاحت درکار ہے کہ فلاسفی کا سائنس یا تجربی علم سے کتنا تعلق ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ فلاسفی ایک حد تک یعنی جزوی طُور پر سائنس یا تجربی علم پر انحصار کرتی ہے تو غلط نہ ہوگا اور یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ سائنس یا تجربی علم بھی ایک حد تک فلاسفی پر انحصار کرتا ہے۔ سائنس یا تجربی علم کی طرف جستجو کسی بنیادی سوال کے جواب کی تلاش میں ہوتی ہے اور پھر سائنس یا تجربے کو بالآخر فلسفہ بننا ہوتا ہے۔ سائنس یا تجربی علم حقیقت کا جزوی مطالعہ کرتے ہیں اور ایک خاص نتیجہ پر پہنچتے ہیں جیسے طبیعیات (Physics) کائنات میں پھیلے مادی مواد کی تحقیق کرتی ہے۔ اسی طرح زندگی حیاتیات (Biology) اور انسانی رویہ نفسیات (Psychology) کا میدان ٹھہرا۔ فلاسفی تینوں میدانوں کے حاصل نتائج کو جمع کر کے حقیقت کائنات سے متعلق سوال کا جواب مرتب کرتی ہے۔ دراصل یہ فلاسفی ہی ہے جو جزوی علم یا تجربی علم کے حاصل کو ایک مرکب صورت دے کر اُس کو باقاعدہ تنظیم دیتی ہے۔

مختصراً فلاسفی اور تجربی علم آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ تجربی علم دراصل فلاسفی کو بنیادی علمی مواد فراہم کرتا ہے جس کا تجزیہ کر کے ایک حاصل کو فلاسفی کا نام دیا جاتا ہے۔

وجود کی بحث حسی اور عقلی ہے۔ اسے Empirical بھی کہتے ہیں۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فلاسفی دراصل سائنس، مابعد سائنس یعنی مابعدالطبیعیات (Phenomenology) اور وجودیات کے الگ الگ علم کو آپس میں ربط دے کر عقل کی کسوٹی پر رکھ کر دلیل و استدلال سے علم کی زیادہ صحیح صورت کو نمایاں کرنے کا نام ہے۔ اس طرح کی فلاسفی کو عقلی (Rational) فلاسفی بھی کہتے ہیں۔ جبکہ حسی تجربی فلاسفی (Empirical) میں روح، مادہ اور خدا کو الگ الگ کر کے جو حاصل تجربہ ہے، اُس کا نام ہے۔ حسی تجربی فلاسفی ایک جگہ پر پہنچ کر رُک جاتی ہے اور علم کے تمام سوالات کا جواب تجربہ سے دینے سے قاصر رہتی ہے۔ انسانی تجربہ کے علم کی ایک حد ہے اور کئی خلا اُس میں نمایاں ہیں۔ دوسری طرف سائنس یا انسانی تجربہ کے یہ سارے خلا عقلی فلاسفی سے پُر کر کے اسے مکمل علم کا ایک بیان قرار دیا جاتا ہے۔ عقلی فلاسفی یہ

Marfat.com

خلا مابعد الطبیعیاتی نظریات سے پُر کرتی ہے جو عقلی فلاسفی کے علم کا لازمی جزو ہے جبکہ یہ تجربی فلاسفی کا حصہ نہیں ہے۔

عقلی تحقیق میں فلسفہ کے ضابطے:

قبل ازیں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ وجودی مظاہرات (Phenomemology with antology) کو مابعد الطبیعیاتی تجربات سے مکمل علم کی صورت دی جاتی ہے۔ اس کے لئے جو طریق کار اپنایا جاتا ہے اور نتیجہ تک پہنچا جاتا ہے۔ وہ ضابطے (Method) زیادہ تر چار بیان کیے جاتے ہیں:

(ا) راسخ الاعتقادی (Dogmatism):

اس میں عقل کو آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی عقل کے مشاہدات حاصل کرے اُن کا تجزیہ کرے اور نتیجہ اخذ کرے۔ فلاسفی کے اس انداز کو راسخ الاعتقادی (Dogmatism) کہا گیا ہے۔ اس تحقیق کے انداز میں حاصل اور مطلوبہ معلومات پر تنقید شامل نہیں ہوتی البتہ علمیات (Epistemology) بھرپور طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اس کا آغاز بغیر کسی ثبوت کے ہوتا ہے اور کوئی سوال پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ ذہن انسانی اپنی جستجو میں آگے بڑھتا ہے۔ راسخ الاعتقادی عقلی طور پر مثبت پیش رفت ہے یہ دنیا کو جاننے اور سمجھنے کا براہ راست طریقہ ہے۔ انسانی ذہن کی یہ آزادانہ سعی ہے۔ اب یہ سعی پہلے کی طرح آزادانہ نہیں رہی ہے۔

(ب) لاآدریت (Scepticism):

شک کا پیدا ہونا اور شک سے علم کی تحقیق کرنا اور شک سے علم کی جستجو کرنا لاآدریت کہلاتا ہے۔ عقل آزاد تھی اور علم کے نتیجہ کے اوپر ہر عقل اپنے مختلف حاصلات پر پہنچتی تھی۔ ایک ہی علم کے نتائج مختلف صورتوں میں منظر پر آئے تو شک کا سوال پیدا ہوا کہ کیا علم کا درست اور سچا نتیجہ پایا جا سکتا ہے؟ شک سے حس و تجربی علم کا آغاز ہوا اور یہ جدید دور تک آ پہنچا۔ علم تک اور کسی علم کے نتائج تک پہنچنے کا یہ راستہ بھی ایک خاص حد تک پہنچ پایا اور شک

Marfat.com

کی مکمل تشفی نہ کر سکا حالانکہ عقل خلا بھی نہیں چھوڑتی اور کہیں بے چین بھی نہیں ہوتی کیوں کہ ایسے موقعوں پر وہ مابعد الطبیعیات یا مذہبی افکار کی مدد لے کر وہ خلاء پُر کرتی ہے اور ایک کامل علم پر اصرار کرتی ہے۔ شک کو رفع کرنے کی جستجو کو یورپ کے جدید فلاسفروں نے مزید مشکوک بنا دیا۔

(ج) تنقید (Criticism):

اس کا آغاز ''انکار'' سے ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی ''انکار'' ہے البتہ تلاش و جستجو ''اقرار'' کی ہوتی ہے۔ اس کی کامیابی کا مختصر عرصہ آغازِ انکار اور انجامِ انکار کے درمیان ''اقرار'' کا بھی ہے۔ اس طریق تحقیق میں اصطلاحات کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ جو علمی جستجو کا طریقہ علمیات (Epistemological) پر مشتمل ہوتا ہے وہ تنقیدی طریقہ ہے۔ محسوسات ہی محض علم کا درست راستہ ہے۔ محسوسات (حسی نظام) دراصل خام مواد ہے اس کو پختگی اور حتمی صورت بالآخر عقل دیتی ہے۔ ذہن انسانی دنیا کے بارے میں بنیادی نوعیت کی باتیں جس میں مکان، زماں، جوہر اور علت وغیرہ شامل ہیں، سامنے لاتا ہے۔

دراصل فلاسفی کا آغاز تو راسخ الاعتقادی سے علم پر بغیر تنقید سے ہوتا ہے۔ مگر راسخ الاعتقادی کی مخالفت علم کے امکانات کو مشکوک بناتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں راسخ الاعتقادی ہی کا دوسرا ردعمل شک ہے مگر یہ حالت مستقل تو نہیں رہ سکتی۔ یوں شک کا ردعمل تنقید کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

د۔ منطقی استدلال (Dialectic):

انگریزی میں لفظ Dialectic سے سوالات کے ذریعے بحث و مباحثہ کا فن مراد ہے۔ اُردو میں اس کا متبادل ''جدلیات'' استعمال ہوتا ہے ارسطو نے زینو کو جدلیات کا بانی کہا ہے۔ افلاطون نے اسے اصول ادلیہ کا علم کہا ہے۔ جدلیات کو استدلال یا دلیل کی ابتدائی آراء اور خیالات کہا گیا ہے۔ ان آزاد خیالات کو ابھی پایہ ثبوت تک پہنچنا ہوتا ہے۔ البتہ ان پر

Marfat.com

تنقیدی دلیل سے تحقیق کے راستے مزید کھلتے ہیں۔ ہیگل کے ہاں جدلیات سے حقیقت کی عمومی ساخت عیاں ہوتی ہے اور طریقہ دعویٰ اور ترکیب ہے۔ جدلیات کے ان معنوں کو ''منطقی استدلال'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ منطقی استدلال حمایت اور مخالفت دونوں میں کارفرما ہو سکتا ہے۔ اس کے تین اصول نمایاں ہیں:

ا۔ مزاحمت باہمی آویزش کا اصول (Law of Unity of Struggle of Opposit)

ب۔ تعداد کا صنعت میں بدلنے کا قانون

(Law of the Transition of Quality and Quantity)

ج۔ نفی کی نفی کا قانون (Law of the Negation of the Nagation)

علم۔ فلسفہ وسائنس کی رو سے:

علم، عقل و تجربہ سے حاصل ہوتا ہے؟ علم کی بنیاد حس اور ذہن ہے؟ محسوسات و مدرکات انسانی علم کا ذریعہ ہیں؟ اس طرح کے سوالات فلسفہ کا جدید میدان ہیں۔ علم جدید کا دعویٰ ہے کہ علم وہی ہے جو حسی بنیاد پر تجربات سے حاصل ہوتا ہے جب کہ فلسفہ کا دعویٰ یہ ہے کہ علم وہی ہے جو عقلی بنیاد پر تجربات و مشاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔ مذہب کا دعویٰ ہے کہ علم قطعی کی بنیاد لوح محفوظ سے نازل شدہ ہدایت و صحیفہ جات پر رکھی گئی ہے۔ قرآن کا دعویٰ حس، عقل اور مذاہب کو مسترد کرنے کا نہیں بلکہ سب کی اہمیت، عمل اور نتائج کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن کو علم کا جدید میزان باور کرنے کا ہے۔'' قرآن کا مرکز و محور انسان ہے جس کی ہدایت و اصلاح مقصود ہے۔ حس اور عقل انسان ہی کے آلہ جات ہیں۔ بغیر عقل کے حسی تجربہ کوئی معنی نہیں رکھتا اور بغیر تجربہ عقل بے معنی رہ جاتی ہے۔ محض حسی تجربہ کسی علم کا محض مواد ہوگا اسے علم یں ڈھالنے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں علم تجربہ کو عقلی کسوٹی پر پرکھنے سے مکمل ہوتا ہے۔ عقل (Reason) اور تجربہ (Experience) کے قدیم و جدید حکماء و سائنس دانوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے:

Marfat.com

۱۔ تجربیت (Empiricism):

اس نظریہ کے مطابق علم کی حتمی شکل کا بنیادی ڈھانچہ حواس خمسہ (Sensations) ہے۔ اصل منبع علم حواس ہے۔ تجربہ حواس کا محتاج ہے جب کہ علم کا انحصار تجربہ پر ہے۔ تجربیت کے حکماء نے درست علم کو محض اور محض تجربے تک محدود باور کیا ہے اور عقل و مذہب اور مزید کسی بھی ذریعہ علم کو مسترد کیا ہے۔ مثلاً غیر تجربی، عمومی، وراثتی، پیدائشی وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ عقلیت (Rationalism):

فلاسفی کا مدار عقلی کدو کاوش ہے۔ بعض ایسی مضبوط علم کی بنیادیں ہیں جن کا حواس سے تعلق بنیادی نہیں رہتا یا انہیں حواس اخذ نہیں کرتے۔ جیسے مکاں، زماں، غیر متناعیت، الہامی، انسان کامل کا تصور وغیرہ۔ یہ تصورات انسانی ذہن کا دائرہ ہیں۔

۳۔ وجدانیت (Intuitanalism):

دوسرا فطری اور جبلّی قوت کے تصورات بھی ذہن انسانی کے ظہور ذریعے پاتے ہیں۔ خدا کی ربوبیت اور وجود کو تسلیم کرنے کا تصور بھی فطری و جبلّی ہے۔ جب کہ انسانی وجدان کی قوت ذہن سے بلند ہوتی ہے۔ ذات کا وجدانی عقل کے ذریعے سچائی کا اعتراف بھی ایک فکر و نظریہ ہے۔ عقلیت کے اس عمل کے لئے تعقل (Reasoning) کے علاوہ نتائجی یا استنتاج (Inference) یا برہانی (Discursive) جیسے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی عمل نفسی کے ذریعے میسّر مواد سے کوئی نتیجہ ایسا اخذ کرنا جو نیا ہو، استناج کہلاتا ہے۔ عمل نتیجہ کے دوران دو معروف جدید طریق کار ہی استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی استخراجی طریقہ (Deductive) جو موجود مواد کا تعبیری نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور دوسرا استقرائی (Inductive) جو استخراجی سے آگے تجربی و برہانی حد تک جاتا ہے۔

Marfat.com

ارا کین علم

جو ہر، علت، مکان اور زماں:

کسی شئے کی معلومات حاصل کرنے کے لئے فلسفی یا مفکر سوچتا ہے۔ سوچ کا کہیں سے آغاز ہوتا ہے۔ وہ بنیادی سوچ ہی معلومات کے دروازے کھولتی ہے۔ اُسے خیال یا تصور بھی کہا جا سکتا ہے۔ انگریزی میں اسے Idea اور Notion کہا جاتا ہے۔ کسی شئے کی معلومات کے لئے اُس کا جو ہر واصل (Substance) تلاش کیا جاتا ہے۔ پھر اُس کی وجہ و علت (Causality) دیکھی جاتی ہے۔ اس کا ایک دائرہ مکان (Space) اور وقت (Time) ہے۔ ہمارے علم کے یہ واضح اصول ہیں۔ اصول اس کے علاوہ بھی بہت ہیں مگر وقت کے علمی ارتقاء نے ان چار اصول علمی پر اتفاق کر رکھا ہے۔ یہی چار بنیادی اصول ہر علمی معلومات کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ چار اصول، استعمال کر کے کسی معلومات یا علم کا ایک معیار و میزان قائم کرتے ہیں۔ انسان کم از کم اسی طریقے سے علم کو منظم کرتا آیا ہے۔ ان چار اصولوں کو ہم انسانی جوہر کا نام دے سکتے ہیں جن کے ذریعے انسان کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی اصول مأخذات سے استخراج میں کام آتے ہیں۔ جیسے:

ا۔ مذاہب سے اصول و ہدایت کا علم حاصل کرنے لیے انہی چار تصورات و اصولوں کو بروئے کار لانا۔

ب۔ فلسفہ یعنی علم کی اعلیٰ سطح پر علمی تنظیم کے قیام کے لئے ان چار ارا کین کا استعمال میں لانا۔

ج۔ سائنس یا علم محسوسات کے لئے ان ابعاد اربعہ کو تجربی توثیق کے لئے عمل میں لانا۔

د۔ عصر حاضر تک مطلوب و حاصل علم کو ان اصولوں کی کسوٹی پر پرکھنا اور مستقبل کی انسانی ضرورت کا تعین کرنا شامل ہے۔

یہاں باری باری ان ارا کین علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے تا کہ یہ دیکھا جا سکے کہ یہ علوم میں کیسے کام کرتے ہیں۔

Marfat.com

جوہر (Substance):

جوہر اشیاء کی اصلی ساخت ونوعیت میں ایک ایسی قوت وتوانائی ہے جو اُس شئے کی ہر دم بدلتی صورت حال میں بھی ایک مستقل حال میں رہتی ہے۔ اُس کی بدولت شئے کی ہستی قائم رہتی ہے اور اس کی صورت کسی خاص انداز میں نمایاں ہوتی ہے۔ مزید اس کی وضاحت دو سوالوں سے ممکن ہے:۔

۱۔ تصوّرِ جوہر کے عناصر کا تعین اور تجزیہ اس بات کو نمایاں کرتا ہے کہ ہستی کے ارتقاء و تبدیلی میں ایک قوت مسلسل حرکت پذیر رہتی ہے۔

۲۔ تصوّرِ جوہر کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے؟ تجربی (Empirical) نقطہ نگاہ سے محسوسات کے ذریعے جو سامنے آتا ہے وہ ہی اصلیت و حقیقت ہے۔ تصوریت پسند (Idealistic) مفکرین کے نزدیک خودشعوری ہی اصل جوہر ہے۔

آغاز میں جوہر کو موضوع (Subject) کے ذریعے بھی نمایاں کرنے کی روایت موجود ہے۔

علت (وجہ) (Cause):

علت کو اپنی زبان میں وجہ بھی کہہ سکتے ہیں موجب بھی کہہ سکتے ہیں۔ علت یا وجہ یا موجب ہر حرکت میں، ہر تبدیلی میں اور ہر فعلیت (جو کام ہوتا ہے) میں ہوتا ہے۔ وہ کیا علت ہے کہ کوئی شئے حرکت پر آمادہ ہے۔ وہ کیا وجہ ہے کہ کوئی شئے یا جاندار کام یا فعل کرنے پر مجبور ہے۔ تبدیلی کا موجب کیا ہے؟

ارسطو نے چار علتوں مادی، فاعلی، صوری اور غائی کی نشاندہی کی اور ان میں تمیز یوں کی کہ برتن بناتے وقت مٹی، مادی علت ہے، بنانے والا فاعلی علت ہے، ذہن میں برتن کا نقشہ صوری علت ہے اور جس مقصد کے لئے برتن بنایا جاتا ہے وہ غائی علت ہے۔ دورِ جدید کے بعض حکماء نے علت کو رد کر دیا اور اسے غیر متغیر قرار دے کر تواتر وارتقاء کے نظریے کو اپنا لیا ہے۔ اسی کو تجربی (Empirical) نقطہ نظر بھی قرار دیا جاتا ہے کہ علت محض شئے کے وجود میں

Marfat.com

آنے اور باقی رہنے کی توضیح تک محدود ہے اس تصور میں ہمارے شعور کی سرگرمیوں کو کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔

مکاں (جگہ) (Space)، زماں (Time):

قانون طبیعیات و فلسفہ میں مکان کی اصطلاح مسئلہ کو سمجھنے میں بنیاد ہے جب کہ دوسری اصطلاح زمان یا وقت کی ہے۔ ان اصطلاحوں پر مختلف پہلوؤں سے بات کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک دنیا محدود موجودات کے دائرہ میں عمل و ردِعمل کی ایک مسلسل کہانی ہے جو زماں و مکاں میں جاری۔ مزید بحث کسی دوسری جگہ آئے گی۔

فلسفہ کا میدانِ تحقیق اور دائرہ علم:

فلسفہ کا دائرہ کارِعلم کے تین میدان ہیں:

ا۔ فلسفہ کائنات (Philosophy of Nature)

ب۔ فلسفہ ذہن یا نفسیات (Philosophy of Mind)

ج۔ فلسفہ خدا (Philosophy of God)

ا۔ فلسفہ کائنات (Philosophy of Nature)

فلسفہ نیچر یا قدرت کے دائرہ کار میں مادی کائنات زیرِ بحث آتی ہے۔ بحث و مباحث اور وقت کے ارتقاء کے مرحلوں پر اس بابت جو علم مرتب ہوتا ہے اُس کی باقاعدہ تنظیم ہوتی ہے وہ فلسفہ کائنات بولا جاتا ہے۔ طبیعیات (Physics) اور مابعدالطبیعیات (Metaphysics) کے تجربات اور اُن کے حاصل ہیں۔ اس علم و فلسفہ کے متعدد سوالات ہیں چند بیان کرنا ضروری ہیں:

- ☆ آغازِ کائنات کی نوعیت و حقیقت کیا ہے؟
- ☆ اس کا آغاز کب اور کیسے ہوا ہے؟
- ☆ مادہ کیا ہے اور کیا یہ خودکار یونٹ ہے؟

Marfat.com

☆ یہ خود کار یونٹ بغیر کسی داخلی ربط کے روبہ عمل ہے؟

☆ یا یہ کہ یہ کسی ایک اور خود مختار طاقت کی پیداوار ہے؟

☆ کائنات کیا چھوٹے پیمانے سے بڑے پیمانے تک آئی ہے؟

☆ کائنات کی تاریخ میں ارتقاء و تدریج شامل ہے؟

☆ اگر ایسا ہے تو پھر اُس ارتقاء کی نوعیت کیا تھی؟

☆ کیا کائنات کا ارتقاء کا حل مادی ہے؟

☆ یا کیا کائنات کا ارتقاء مقصدی ہے؟

☆ مادہ کی حقیقی حالت کیا ہے؟

☆ مقصد یا نصب العین کی حقیقی نوعیت کیا ہے؟

یہ ۱۲ سوالات کائنات کی مادی تعبیر میں ترقی پا کر ۱۲ سو، ۱۲ ہزار اور ۱۲ لاکھ بھی ممکن ہیں۔ ہر لمحہ سوال اُبھرتا ہے۔ کچھ خود سوالات ہوتے ہیں اور کچھ خود جوابات ہوتے ہیں ان سوالوں کے سوالات و جوابات کے کئی زاویے اور کئی جہتیں ہوتی ہیں۔ ہر سوال علم ہے اور ہر جواب علم ہے۔ سوال و جواب کے مرتب و مرکب علم کو ہی دراصل فلسفہ کہا جاتا ہے۔ کائنات کا مادی فلسفہ علم کا ایک مقبول پہلو کا روپ اختیار کر چکا ہے۔ سائنس کی پہلی سیڑھی ہی مادہ و کائنات ہے۔ حواس و عقل و وجدان کی تگ و دو بالآخر فلسفہ سائنس بنتی ہے۔ ذیل میں اب فلسفہ علم کا جائزہ مختلف پہلوؤں سے لیا جائے گا جس میں مذکورہ سوالات کے جوابات بھی ہوں گے۔

۱۔ دنیا بطور حقیقت کا نظام و کرشمہ:

زبان واصطلاح میں حقیقت کا تصور ایک نہیں ہے۔ ایک مؤقف حقیقت کے مطلق غیر مشروط اور لامحدود تصورات پر مشتمل ہے جب کہ دوسرا اضافی، مشروط اور محدود تصورات کے گرد گھومتا ہے جب کہ ایک بے جان، دوسرا جاندار اور تیسرا ذہن میں تقسیم کرتا ہے۔ اس حصہ

Marfat.com

میں کائنات کا مادی نقطہ نظر زیر بحث ہے۔ اس لئے یہاں حقیقت کے مادی و محدود تصوّرِ علم کا جائزہ لیا جائے گا۔

ان معنوں میں حقیقت ہر لحظہ ایک بدلتی ہوئی حالت ہے اور اس کا انحصار ہر لحظہ سرگرمیوں پر ہے جو حفاظت اور ترقی کا پیمانہ ہے۔ حقیقت کی بنیادی صفات اُس کا خود کار نظام حفاظت اور خود انحصاری ہے۔ اس کی نسبت کے آگے کئی اطلاقی، آگاہی، تعمیری اور بنیادی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ موجودات کی حقیقت کا دارومدار باقی رہنے، آگے بڑھنے اور ترقی کرنے پر ہے۔ کامل حقیقت کے دو پہلو ہیں پہلا جس میں معروضیت یا کارکردگی اور شناخت شامل ہے جب کہ دوسرا صفات، خصوصیات اور تبدیلی پر مشتمل ہوتا ہے۔

۲۔ دنیا کس طرح حقیقت کا نظام ہے؟

دنیا حالت واحد میں ہے مگر اس کے کئی عناصر اور جزئیات ہیں جو مل کر اسے ایک وحدت کی حقیقت میں سامنے لاتے ہیں۔ موجودہ تجرباتی سائنس نے اس مؤقف کو تقویت دی ہے۔ زمین، آسمان، حیاتیات، طبعیات اور نفسیات میں قدرتی قوانین کارفرما ہیں اور ان قوانین میں سے بہت سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے ہیں جو ان معنوں میں ایک ثبوت ہے کہ دنیا مختلف اجزاء پر مشتمل ایک مرکب وحدت ہے۔

دنیا تجربی انداز میں جو آگے بڑھی ہے اُس نے یہ علم دیا ہے کہ دنیا مادی طور پر مکانی و زمانی حقیقت ہے۔ مادی حقائق یہ ہیں کہ مادی اشیاء نے جگہ گھیری ہے اور یہ ایک مکانی قانون کے تحت ہے۔ مادی اشیاء کا آپس میں کہیں نہ کہیں رابطہ ہے جو ایک دوسرے کی حقیقت کو برقرار رکھ کر ایک حقیقت کا عکاس ہیں۔

مکان کے اندر موجود اشیاء تبدیلی کے عمل سے مسلسل گزرتی ہیں۔ تبدیلی کا یہ عمل وقت کا پابند ہوتا ہے گویا ایک زمانی اوقات کار کا پابند ہے۔ یہ بات مدِنظر رہے کہ وقت کے اندر تبدیلی کا عمل بنیادی و اساسی ہے، مکان میں موجود اشیاء کا زمان میں مسلسل تبدیلی پر انحصار

Marfat.com

ہوتا ہے۔ مکاں و زماں کے حوالے سے دو سوالات پیدا ہوتے ہیں:

ا۔ مکاں و زماں کی حقیقی نوعیت (Essential Nature) کیا ہے؟

ب۔ حقیقت مطلقہ کا مکان و زمان سے کیا تعلق ہے؟

ا۔ فلسفہ، سائنس اور مذہب کی اس بارے میں ایک ہی رائے ہے کہ یہ دنیا جو زمان و مکان پر مشتمل ہے اور محدود دائرے میں رہنے، عمل اور ردِعمل پر محیط ہے۔ مکان پورے نظام کی اساس ہے۔ ہمارے مطابق محدود اشیاء میں حرکت کرنے اور آگے کا داعیہ پیدا کرنے کا نظام ہے۔ محدود (Finite) اشیاء میں کارفرما بنیادی تصور یہ ہے کہ یہ اشیاء ایک دوسرے سے الگ و مختار ہوں اور اس طرح عمل کریں کہ ایک دوسرے کو روک رکھیں۔ یہ نظام ہی ایسا ہے جو خود عمل کر کے اشیاء کو مکان کے دائرے میں اپنی حدود میں رکھتا ہے۔ اشیاء کو حرکت دنیا اور اُن کے باہمی تعلق کو نمایاں کرتے رہنا مکانیت کے نظام کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ تصوّر بھی مکان سے متعلق ہے کہ یہ لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں غیر محدود بڑھ سکتا ہے۔ اس تصور کی بنا پر اس تصوّر کی محدودیت، لامحدودیت کی حدود میں داخل ہوتی ہے۔ یوں یہ تصوّر فلسفہ و سائنس کی جزئیات سے ایک وحدت کی طرف چلا جاتا ہے جو مذہب کا اساسی موضوع ہے۔ فلسفہ و سائنس میں مکانی حدود ایک کنارہ ہے جو اس کے دوسرے کنارے سے منسلک ہے۔

ب۔ جہاں تک مکان کے تصوّر کی اصلیت کی کھوج کا تعلق ہے اس میں دو نقطہ نظر ہیں اور خاصی حد تک مختلف ہیں۔

ا۔ اس پہلو میں حسی حاصل (Empirical)، تجربی مشاہدہ (Experimental) اور نشائی (Genetic) شامل ہے جب کہ دوسرے تصورات میں وجدانی (Intuitional)، عقلی (Rational) شامل ہیں۔ حسی تجربی تصوّر میں آگے چل کر دو راستے بنتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک یہ تصوّر دراصل ارتقائی (Evolutional) نہیں ہے جب کہ دوسرا اسے ارتقائی مانتا

Marfat.com

ہے۔ اس سب کے باوجود یہ تصورات حتمی شمار نہیں ہوتے اور علمی تگ و دو جاری ہے۔

زمان، وقت (Time) کا ایک جاری سلسلہ جو واقعات کا باعث بنتا ہے اور ان تک باہمی تعلق کو اُجاگر کرتا ہے۔ وقت دورانیہ ہے، وقفہ ہے اور تبدیلی ہے۔ زمان بھی حسی تجربی تصور رکھتا ہے۔ یہ ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم ہوتا ہے۔ عمر، دن، مہینہ سال از قسم زمانہ ہے۔

تخلیقِ کائنات کے دو نظریات:

ا۔ نظریہ تخلیقِ کائنات (Speacial Creation)

ب۔ نظریہ ارتقاء (Evolution)

کائنات کی تخلیق کا پہلا نظریہ مذہبی نظریہ ہے اور تمام مذاہب کے مطابق یہ کائنات خدا نے پیدا کی اور عدم سے پیدا کی اور جیسی ہے، ایسی ہی پیدا کی تھی۔ آسماں، زمین، چاند، ستارے، پہاڑ اور دریا ویسے ہی ہیں۔ دوسرا نظریہ ارتقاء کا ہے۔ گو یہ مسلم ادب میں بھی زیرِ بحث رہا ہے۔ ابن مسکویہ اور اخوان الصفا کا اس پر کام ہے۔ البتہ یہ نظریہ ارتقاء خدا کے بغیر نہ تھا۔ اٹھارویں صدی میں ڈارون نے حیاتیاتی میدان میں اس پر تحقیق کی جو بعد میں سائنسی رنگ اختیار کر گئی کہ خدا کے وجود کے بغیر اسے ثابت کیا جائے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں آئی اور خود روانداز میں آگے بڑھی ہے۔ اس کے تحت کائنات کے قوانین پر تحقیق ہوئی اور وہ مرتب ہوئے لیکن بالآخر ارتقاء کو خود رو رکھ کر بھی اسے کسی مطلق ہستی پر چھوڑنا پڑا ہے۔

اس طرح کائنات کے ظہور کے متعلق دو طرح کی سائنسی معلومات سامنے آئی ہیں۔ خدا کے بغیر کائنات کا وجود ثابت کرنے کی مہم یورپ میں پادری کے خلاف بغاوت کو کامیاب بنانے کے لیے تھی۔ یوں نظریہ ارتقاء وجود میں آیا حالانکہ اس کی وجہ شہرت ڈارون کی تحقیقات تھیں اور اس کے سامنے خدا کو ثابت کرنے یا نہ کرنے کی بات نہ تھی۔

Marfat.com

۱۔ مکینکل نظریہ ارتقاء:

(The Mechanical theory of Cosmological evaluation)

اس میں نیبولر مفروضے کی بنیاد پر سولر نظام کی تشریح کی گئی ہے جس میں کائنات کا یہ حصہ مادی ہے جو روشنی اور گیس سے بھرپور ہے۔ اس کے اندر طبعی قوت فعال ہے جو طبعی قوانین کے تحت عمل کرتی ہے۔

۲۔ حیاتیاتی ارتقا کا میکانکی نظریہ:

(The Mechanical Theory of Biological Evolution)

اس کے مطابق زندگی کا آغاز ایک جرثومہ (Cellor Germs) سے ہوا ہے۔ اس جرثومہ کے اندر آگے تقسیم در تقسیم کی صلاحیت موجود تھی اور آگے بڑھنے کے لئے وراثتی قانون حرکت میں رہا اور باقی رہنے کے لئے ماحولیاتی مشکلات کے خلاف جدوجہد اس کا حصہ تھی۔

جرثومہ کے متعلق مادی نقطہ نظر ہمیشہ تذبذب میں رہا۔ حیاتیاتی ارتقاء کو ٹھوس سائنسی تجربات کی روشنی میں بیان کرنے والے ڈارون کے مطابق ان جرثوموں کو کسی تخلیق کار نے زندگی دی ہے اور پھر یہ سلسلہ وار ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہے۔

حیاتیاتی ارتقاء میں زندگی ابتدائی سطح سے بلند سطح کی طرف ترقی کرتی ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ جرثومہ (Suprime) کو اس کے مقصد پر کاربند رکھنے کے لئے ایک ذہن راہنمائی کا ذمہ دار ہے۔ زندگی کے اس جرثومے کا اپنی منزل کی طرف بڑھنا ایک عمل ہے، مقصد نہیں۔ یہ اور قوت ہے جس کا مقصد اس عمل سے وابستہ ہے۔ حقیقت یہ ہے جرثومہ یا زندگی کی خصوصیات اور تعقل کے لیے جتنے حیاتیاتی (Biological) قوانین ہیں جیسے وراثتی قانون، افزائش نسل کا قانون، تبدیلی کا قانون، جرثومہ کا باہمی نظام دراصل سب ذہنی طاقت سے متعلق ہیں۔

ٹیلوجیکل نظریہ ارتقاء (Teleology):

یہ نظریہ حتمی مقصد کو بنیاد بنا کر نظریہ ارتقاء کو آگے بڑھانے پر دلائل دیتا ہے۔ یہ لفظ

Marfat.com

دو یونانی الفاظ کا مرکب ہے۔ یعنی ''Telos'' معنی ''حتمی یا مکمل اور ''Logos'' کا معنی دلیل ہے حتمی (End) یا (Final) کا معنی ایک مقصد ہے اور تمام سرگرمیاں اور عمل اُس مقصد کی طرف ہیں تاکہ اُسے حاصل کیا جا سکے یوں ٹیلوجیکل یا حتمی مقصد کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز اپنی تکمیل کی طرف معرض ارتقاء ہیں اور ہر ایک تکمیل ایک حتمی کاملیت کی طرف گامزن ہے اور حتمی کاملیت ایک ذہنی طاقت کی محتاج ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کاملیت کی ذہنی قوت داخلی ہے یا خارجی؟ اگر اس کی مثال انسانی تخلیق کی لی جائے تو اُس کا نقشہ خارجی یا ذہنی سطح پر تیار ہوتا ہے اور پھر تخلیق ہوتی ہے۔ اس لئے یہ قوت خارجی تصور ہو گی۔ یوں کاملیت یا (End) خدا کے ہاں ابتداء سے ہی ایک تصور یا نقشہ کے طور پر موجود تھا جو تخلیق ہو کر ایک ذہنی قوت کی حرکت یا ایک خود کار آلہ (روح) کے ذریعے ارتقاء پذیر ہوا۔

ب۔ ذہن یا روح کا فلسفہ (Philosophy of Mind or Soul):

ذہن، روح، زندگی اور شعور کے الفاظ دراصل کائنات کی مادی تفہیم سے ہٹ کر ایک مؤقف یا معنی بناتے ہیں۔ مادی دنیا کی حقیقت اپنی جگہ جب کہ ذہنی یا روحانی دنیا کی حقیقت اس لحاظ سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ مادی دنیا کے ارتقاء کی پشت پر روحانی یا ذہنی قوت کا ہی عمل دخل ہے۔ مختصراً مادی اور روحانی دونوں زندگی کے ہی دو پہلو ہیں۔

ذہن (Mind):

ذہن کی اصطلاح شخص و دماغ کی فعلیت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اجتماعی زندگی میں کارفرما تخلیقی قوت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ مادی دنیا کے علاوہ جو دنیا ہے۔ اُس کو اُجاگر کرتی ہے اور مختصر الفاظ میں یہ روحانی قوت کا متبادل لفظ ہے اور آخری تصوّر خدا ہے۔ اس کی تعریف کے لئے تین پہلوؤں کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ا۔ یہ اصطلاح بعض اوقات مجموعی طور پر تشکیلی عمل اور شعوری حالت کے لئے بولی

Marfat.com

جاتی ہے۔ اس تشکیلی عمل اور شعوری حالت کے مراحل میں آرزو غور و فکر اور احساس شامل ہے جو مختلف مراحل میں سے گزر کر ایک نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ یہ نتیجہ ہی ذہنی مظاہر کو اُجاگر کرتا ہے۔ ذہن کے اس تشکیلی عمل اور شعوری حالت کو ذہن کی تجربی (Empirical) حالت کہا جاتا ہے۔

ب۔ یہ مابعد الطبعی حالت کو پیش کرنے کا نام بھی ہے۔ یہ حالت جوہر، حقیقت اور وحدت کا تصور وضع کرتی ہے۔ اس حالت میں احساس، غور و فکر اور آرزو کا انداز تجربی حالت سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ صرف ذہنی جوہر کو اُجاگر کرنے کی حالت کا نام ہے۔

ج۔ یہ اصطلاح بعض اوقات ذہنی وحدت، جوہر اور حقیقت کے علاوہ ان کے قول و فعل اور تشکیل کو بھی ساتھ بیان کرنے کا نام ہے۔ ذہنی جوہر کا تعمیر کردہ تصور کے ساتھ اس کی سرگرمیوں اور شعوری حالت کے اجتماعی فعل و نتیجہ جو حقیقت کا تصور تشکیل کرتا ہے اس اصطلاح کے ضمن میں بیان ہوتی ہیں۔

حقیقتاً ایک ہی معنی و مفہوم کو اُجاگر کرنے کے لیے یہ تین تعریفیں بیان ہوتی ہیں تا کہ مختلف پہلوؤں سے مسئلہ کی نوعیت واضح ہو جائے۔

شعور:

شعور ذہن کا آلہ یا صفت امتیاز ہے۔ ذہن کی صفت انفعالی ہے جو کہ ہر شئے میں امتیاز قائم کرنے کا باعث ہے۔ اس صفتِ امتیاز کو شعور کہتے ہیں۔ شعور کی یہ امتیازی صفت، صفتِ جمالی بھی ہے۔ اس لحاظ سے ''شعور'' کی تعریف کو بیان کرنے میں حکماء کو دقت رہی ہے۔ فرائیڈ نے اس کو تقسیم کر کے شعور، لاشعور اور فوق الشعور میں بانٹ دیا ہے جس سے سمجھنے میں بہتری پیدا ہوئی ہے۔ لیکن یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ انفرادی نوعیت کی ایک ایسی اصطلاح ہے جو اپنی قسم میں آپ ہی ہے اور یہ براہ راست تجربات و مشاہدات ہیں جو ہر ایک کو اپنے طور پر ہوتے ہیں۔ اس اصطلاح کی تعریف کے لئے بھی مختلف جہتیں ہیں:

ل۔ ایک جیسے جذبات و احساسات کا اظہار جیسے ذہنی بیداری کی اپنی آپ حالتِ شعور۔

Marfat.com

ب۔ شعور کی تعمیر میں کارفرما عوامل وعناصر کو جزواً جزواً بیان کرنا جیسے غور وفکر کیا ہے؟ احساسات کیا ہیں؟ آرزو کیا ہے؟ یہ کئی طرح کے انداز میں نمایاں ہوتے ہیں اور حالتِ شعور کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ کہ یہ عوامل وعناصر شعور کا جزوی نمونہ جات ہیں۔

ج۔ حالتِ غیر شعور سے مختلف حالتِ شعور میں موجود ہونا مثلاً لکڑی کا..... یا پتھر کا ٹکڑا۔

د۔ شعور ناظر (Subject) اور منظور (Object) کے درمیان تعلق کے اظہار کا نام ہے معنی ذہن کا جاننا یا خود سے آگاہی۔

روح (Soul):

فلسفہ میں عموماً ذہنی جوہر کو روح کہا جاتا ہے۔ مذہب میں روح کے جوہر کو نور بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک طاقت ہے جو ذہنی قوت کو فعال کرتی ہے جس میں غور وفکر، جذبات و احساسات اور آرزوؤں وخواہشات میں مشترکہ طور پر استعمال ہوتی ہے۔ یہ روحانی قوت ہی دراصل بدنی عضویات کو قابو اور فعال رکھتی ہے اور باقی عضویاتی دنیا کے ساتھ رابطہ رکھتی ہے۔

زندگی اور شعور:

زندگی سے متعلق بنیادی مباحث نظریہ تخلیق اور نظریہ ارتقاء میں آچکے ہیں۔ زندگی اور شعور کے تعلق کو ایک معروف نقطہ نگاہ کے تحت بیان کرنا کافی معلوم ہوتا ہے کہ زندگی پودوں، حیوانوں اور انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ پودے صرف زندگی رکھتے ہیں۔ حیوان زندگی کے ساتھ محسوسات بھی رکھتے ہیں اور انسان زندگی کے ساتھ محسوسات اور سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

خودی (Self):

یہ اصطلاح علامہ اقبال نے لی اور اپنے فلسفہ کی بنیاد بنائی۔ Self کو اُردو میں خودی کا معنی دے کر خودی کے لفظ کو خودی کی طرح بلند کر دیا ہے۔ فلسفہ ہی فلسفہ، انا اور روح تقریباً

Marfat.com

ملتے جلتے معنی دیتے ہیں۔ ''خودی'' کو اقبال نے ''خودشعوری'' (Self-Conciousness) کے ذریعے بھی وضاحت دینے کے لئے استعمال کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے اپنے آپ سے شعوری طور پر خود آگاہ ہو جانا۔ یہ خود آگاہی جو غور و فکر، احساسات ومحسوسات اور شوق و ذوق سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ عمل دراصل ماضی، حال اور تبدیلی کے کسی مرحلے پر سرمایہ شعور ہوتا ہے۔ شخص ہو یا قومی، تجربات و مشاہدات زندگی کے ساتھ چلتے ہیں۔ آگاہی درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ شعور درجہ بدرجہ بلند ہوتا ہے اور کئی دوسرے تقاضے پورے ہونے کے بعد انسان خودی کے مرتبے کو پا لیتا ہے۔ خودی کا امتیاز یہ بھی ہے کہ طبعی (Physical) یا مابعد الطبعی (Meta Physical) دونوں علوم کے ملاپ سے حاصل فکر مرتبہ خودی پر پہنچاتی ہے۔ یہی لفظ دو طرح کے معنوں میں مزید استعمال ہوتا ہے:۔

ا۔ احساسِ خودی (Noumenal-Self):

یہ ذہنی حقیقت کا جوہر جس میں ایغو، روح بھی آتی ہے۔ مختلف ذہنی و شعوری حالتوں اور سرگرمیوں کا جامع معنی مراد ہے۔ اس میں سوچنے، محسوس کرنے اور جذبہ محرکہ کے عوامل شامل ہوتے ہیں۔ یہ ذہن میں پیدا ہوتی ہے۔ شعوری نصب العین کا تعین ہوتا ہے۔ شعوری نصب العین سوچنے کی ایک مکمل مشق سے وابستہ ہوتا ہے۔ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان جذبات کو نصب العین شوق و ذوق دیتا ہے جو جذبہ محرکہ بنتا ہے تب جا کر ''خودی'' بلند سے بلند تر بلندیوں کو چھوتی ہے۔

ب۔ تجربی یا فطریاتی خودی

(Empirical-Self or Phenomenal-Self):

اس میں تجربہ و مشاہدہ کو الگ کر کے اُس نتائج کو ''خودی'' کے تحت بیان کیا گیا ہے اس میں ''خودی'' کو بذات خود ''خودی'' میں ڈھالنا ہے۔ سوچنے، جاننے اور سمجھنے کے عوامل اس میں احساس سے آگے مشاہدے [illegible] ت میں آ جاتے ہیں۔

Marfat.com

ج۔ فلسفہ خدا (Philosophy of God):

خدا کے مُطلق اور یقینی ہونے کا دعویٰ اول و آخر مذاہب کا رہا ہے۔ مذہب کا میدان فکر و عمل تو بر حال ''انسان'' تھا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حس، عقل اور وجدان کے ذریعے باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی ذمہ داری سونپی۔ انسان صدیوں سے یہ ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ اُس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انسانی جستجو اور تگ و دو کے ذریعے اُس حقیقت مطلقہ کے ارادوں اور عمل کو جانتے ہوئے اُس تک جا پہنچے۔ انسان کو جہاں یہ یقین بھی کہ حقیقت مطلقہ ایک ہے پھر بھی اُس کی ذمہ داری میں فرق نہیں آتا۔ رازِ ہستی کی جان کاری میں انسان غلطی کرتا ہے اور سیکھتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ غلطی کرنا حسین فطرت انسانی ہے اور غلطی نہ کرنا تو پھر قانون قدرت کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔

صدیوں کی مسافت کے ساتھ ساتھ ''انسان'' علم حاصل کرتا آرہا ہے۔ ہر نسل سابقہ حاصل کردہ علم کو قدیم اور اُس کی بنیاد پر تازہ علم کو علم جدید کہتی ہے۔ علم، انسان جو بھی حاصل کرتا ہے وہ سابقہ تمام مذاہب و روایات سے سبق لے کر آگے بڑھتا ہے مگر مذہبی حلقہ اس علم کو انسانی علم کہتا ہے۔ اس میں مضائقہ بھی نہیں کیوں کہ آگے بڑھنے کی جستجو میں ایک امتیاز باقی رہتا ہے۔ انسان سادگی سے سادہ علم حاصل کرتا ہے مگر وقت کے ساتھ علم مختلف زبانوں، علاقوں اور قوموں کی آمیزش سے معلومات کے ایک خلاصہ کی صورت اختیار کرتا جاتا رہا ہے۔ دراصل یہ خلاصہ ہی آگے چل کر یونانی زبان کی مناسبت اور یونانیوں کی علمی ترقی سے ''فلسفہ'' کہلایا اور ہم نے ان سطور میں فلسفہ کو ایک تنظیم علم کے طور پر لیا ہے۔ منطق مخصوص زبان کے مخصوص الفاظ کی روشنی میں فلسفہ کو سائنسی تنظیم دے دیتی ہے۔

ان سطور میں ''فلسفہ خدا'' یا ''شعورِ حقیقت'' پر بات کرنی مقصود ہے کیوں کہ فلسفہ کے تصورِ کائنات اور تصورِ ذہن پر گفتگو ہو چکی ہے۔ ہم نے براہ راست تصورِ خدا پر گفتگو کا فیصلہ کیا ہے لیکن یہ ساری گفتگو علم جدید کے فلسفیانہ منہاج کے تحت ہو گی۔ علم جو انسان نے ابھی

Marfat.com

تک دریافت کیا ہے اُس کے مطابق وہ خدا کو ایک حد تک جان سکا ہے، پا سکا ہے؟ البتہ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ خدا وہی ہے جو پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ سب مذاہب میں خدا کی حقیقت کا انکشاف ہوتا رہا مگر انسان اپنی بلوغت اور شعوری سطح کے مطابق جانتا رہا، پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ یوں مذاہب کا کاملیت اور تعدد خدا سے وحدانیت کا سفر مکمل ہوا۔ بہت سارے مذاہب کا دنیا کے مختلف حصوں میں باقی رہنا کمالِ انسان ہے کہ وہ صدیوں سے تصورات خدا کو سینے سے لگائے ایک ایسی دنیا میں آ پہنچا ہے جہاں خدا کی یکتائی کو انسان کم و بیش تسلیم کرنے اور ثابت کرنے پر پُرعزم ہے۔ انسان جب خدا کے یکتائیت، اُس کی حقیقت اور اُس کی نورانی قوت کو دریافت کر کے تسلیم کرے گا تو تب جا کر انسان پر اُس کی اپنی حقیقت منکشف ہوگی اور یہی وہ ذمہ داری ہے جو وہ نبھا رہا ہے اور یہی وہ راز ہے جسے اُس نے پانا ہے۔

فلسفہ یا علم جدید کی دنیا میں ''خدا'' پر اب بھی تین جہتوں سے بات ہوتی ہے:

۱۔ واحدنیت و یکتائیت (Monism, Monistic, Monotheistic)

اس کی وضاحت مزید جہتوں سے کی گئی ہے:

ا۔ وجودذاتی وشعورذاتی (Deism)

ب۔ وحدت الوجود (Pantheism)

ج۔ لاآدری (Agnostic Monism)

۲۔ دوئی۔ (Dualism):

اس کی وضاحت مزید دو جہتوں سے کی جاتی ہے:

ا۔ دو خدا (خیر و شر) (Ditheism)

ب۔ دو حقیقتیں (خدا اور مادہ) (Dualistic Thaism or Dualistic Monotheism)

۳۔ کثیریت (Pluralism)

اس کی وضاحت مزید دو جہتوں سے کی جاتی ہے:۔

Marfat.com

ا۔ مادی کثریت (Atomism or Plastericalistic Pluralism)

ب۔ روحانی کثریت (Spiritualistic Plurasim)

ا۔ Monism:

اس میں چار جہتوں سے بات کی جاتی ہے۔ اس کا مجموعی تاثر یہ ہے:

خدا کا مطلب ایسی ذات مطلق جو بذات خود زندہ و باقی ہے کسی کا عمل دخل نہیں اور اس کی اپنی شعوری قوت نظام کائنات کی تخلیق اور ارتقاء میں جاری ہے۔ وہ کائنات کا جہاں خالق ہے وہیں وہ اس کی حفاظت، ترقی اور نگرانی کا ذمہ دار ہے۔

ا۔ Deism:

خدا ایک ذات مطلق تھی اور پھر اُس نے کائنات اپنی ذات سے الگ بنائی اور اُسے آگے بڑھنے کے تمام وسائل، محرکات دے دیئے اور یہ کائنات اب خدا سے آزاد اپنی رفتار سے ارتقاء پذیر ہے۔ حسب ضرورت ہی خدا مداخلت کرتا ہے۔

ب۔ Pantheism:

خدا ہی سب کچھ ہے اور سب کچھ خدا ہے۔ وہ ایک ہے اور وہی اصل ہے۔ اشیاء میں کثرت کا ظہور حقیقی نہیں ہے۔ حقیقی ایک ہی ذات ہے۔

ج۔ Agnostic Monism:

ایک ناقابل رسائی ہستی جس سے ہر شئے خلق ہوئی اور خدا کی تعریف ممکن نہ ہے۔

۲۔ دوئی (Dualism):

یہ دنیا دو آزاد، دو مطلق قوتوں کا نتیجہ ہے۔

ا۔ دو خدا کا تصور-Ditheism: اس کے مطابق دو آزاد دو مطلق قوتیں خیر اور شر اور نیکی اور بدی کی حکمران ہیں اور یہ دنیا اُن کی داخلی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ جو اچھائی اور بُرائی کی

Marfat.com

صورت میں ہے۔

ب۔ Dualistictheism: اس تصور کے مطابق خدا دو ہیں مگر اصل خدا ہی کارساز ہے اور غیر مادی ہے جب کہ دوسری مادی قوت ہے جسے خدا نے بروئے کار لا کر دنیا بنائی ہے۔

۳۔ کثریت (Pluralism):

اس تصور میں بظاہر خدا کا تصور نہیں البتہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایسی قوتیں رکھنے والی کئی اکائیاں ہیں۔ یہ اکائیاں آپس میں اس طرح کا تعاون کرتی ہیں کہ نتیجے کے طور پر دنیا بن گئی ہے اور انہی کا باہمی تعاون و ترکیب اس عمل کو آگے بڑھا رہی ہے۔

ا۔ مادی کثرت (Materalistic Pluralism):

اس تصور کے مطابق کائنات بشمول زندگی اور ذہن کسی ارادہ کی مرہون منت نہیں بلکہ یہ اتفاقیہ ظہور ہوئے ہیں اور ان علیحدہ علیحدہ اکائیوں میں ایسی صلاحیت موجود ہے جو الگ الگ اور مشترکہ عمل کرتے ہیں۔

ب۔ روحانی کثرت (Spiritualistic Pluralism):

ایک سے زائد خداؤں یا غیر مرئی قوتیں جو فطرت کے تمام امور و رموز کو کنٹرول کرتی ہیں اور اکائیاں مادی نہیں بلکہ روحانی ہیں اور یہ مل کر دنیا بناتی ہیں۔

فلسفہ خدا کو تلاش کرتے کہاں پہنچا؟ علم جدید نے خدا کی خالقیت کو کہاں تک پایا؟ لیکن جو عیاں ہے وہ یہ ہے کہ تمام جہتوں پر خدا ہی ہے۔ جو ایک، دو اور زیادہ خداؤں کو مانتے ہیں اُن کا موقف عیاں ہے اور جو نہیں مانتے اُن کے نہ ماننے میں بھی خدا ہی پنہاں ہے۔ اب انسان علم و دلیل کی ان راہوں پر پڑا ہے تو ایک دن حقیقی منزل پالے گا۔ اسلام کا دعویٰ توحید یعنی ایک خدا، یکتا و بے نیاز ہے۔ اِن تمام تصورات پر کہیں نہ کہیں اس کے اثرات پاتے ہیں۔ انسانی فطرت خود بخود بالآخر اس کو تسلیم کرلے گی۔ انشاءاللہ!

Marfat.com

منطق (Logic):

اگر یہ کہا جائے کہ منطق، فلسفہ کی اساس و بنیاد ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہر علم کی ایک بنیادی معلومات ہے جس کے اُوپر علم ترقی کرتے ہوئے ایک تنظیمی علم اور فلسفہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ فلسفہ کی تشکیل منطق کے تحت حاصل اصطلاحوں، تعریفوں، قضیوں، دلیلوں اور تصدیقوں کے معیار پر تولنے، پرکھنے سے ہوتی ہے۔ یہ بڑے دقیق اور طویل مباحث ہیں۔ یہاں محض یہ نشاندہی مقصود ہے کہ علم جزئی لحاظ سے ہر مقام پر اپنا ایک مؤقف بناتا ہے اور پھر اگلی منزل کی بنیاد بن جاتا ہے۔ انسان نامعلوم سے معلوم کے پیچھے صدیوں کی تاریخ رکھتا ہے۔ خصوصاً فلسفہ و منطق کی بنیاد و آغاز یونانی سرزمین ہے۔ علم کو باقاعدہ نظم و ضبط دینے کا یہ عمل علم کی دنیا کا بڑا حاصل اور کارنامہ ہے۔ اس نظم و ضبط یا فلسفہ و منطق کے علم میں دوسری بڑی پیش رفت ظہور اسلام کے بعد ہوئی۔ مسلمانوں کے اثرات وسیع دنیا تک مرتب ہونے لگے جب کہ مسلمانوں کا نصب العین قرآن و حدیث سے ماخوذ علم کو انسانیت کی فلاح کے لئے بروئے کار لانا تھا۔ مسلمانوں نے فلسفہ و منطق کے تحت علم کی اس ترقی کو اختیار کرنے میں زیادہ دقت محسوس نہیں کی بلکہ اس میں متعدد خوبصورت اضافے کیے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاحوں کا عربی میں بڑے پیمانے پر اضافہ کیا۔ فارسی علاقوں میں پہلے سے اثرات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان میں فلسفہ و منطق آج بھی بہت معیاری سطح پر ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ یورپ میں فلسفہ و منطق کی جو تیسری بڑی پیش رفت ہے اس کی اساس و بنیاد عربی اور فارسی کے ادب سے مستعار ہے گو یورپ میں اسے براہ راست یونان سے منسلک کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یونانی فلسفہ و منطق کا ہر راستہ جس نے ترقی کی وہ عربی و فارسی ادب سے کی ہے۔ یونان کی تمام معروف کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر دستیاب ہیں جب کہ ہندوستان میں فلسفہ و منطق کی روایت بھی تاریخی لحاظ سے بہت مضبوط ہے۔ عربی و فارسی ادب کے علاوہ بھی ہندی فلسفہ اپنا وجود رکھتا ہے جب کہ کنفیوشس کو پیغمبر کم اور فلسفی یا مصلح کے طور پر زیادہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فلسفہ و منطق مذہب نہیں اور نہ یہ کسی مذہب کے خلاف ہیں۔ ہر مذہب اپنی اصلاحی فکر کو علم کا روپ دینے کے لئے اپنی سہولت کے مطابق منطق کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔ یہاں منطق کی تعریف اور مختصر تعارف نذر قارئین ہے تا کہ ایک ہلکا سا نقشہ سامنے آ جائے۔

منطق کی تعریف:

منطق وہ علم ہے جو کسی شئے کی تعریف اور دلیل بنانے میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کر دے۔ بعض کے نزدیک خطا سے مکمل حفاظت کا مطلب بھی لیا گیا ہے۔ درست ہے یقینی علم کے حصول کا کوئی معیار تو قائم کرنا پڑتا ہے مگر اس احتمال کو مدِنظر رکھنے میں حرج نہیں کہ حصولِ علم میں خطا کا امکان بھی ممکن ہے۔

بلکہ دوسرے معنوں میں یہ علوم کو ملانے کے دوران ہونے والی غلطی کی اصلاح کرتا ہے۔ یقیناً غلطی کی اصلاح سے علم یقینی ہو جائے گا۔ دو علموں یا دو سے زیادہ علموں کو نامعلوم سے معلوم کرنے کو فکر اور نظریہ کہتے ہیں۔ ان علوم کو ملانے یا ترتیب میں غلطی ہو جائے تو اس کی درستگی جس طریقے یا علم سے ہوگی وہ منطق کہلائے گا۔

منطق کا موضوع وہ تعریفیں اور دلیلیں ہیں جن سے نامعلوم یا نہ جانی ہوئی شئے کا تصور حاصل ہو اور اس نامعلوم یا نہ جانی ہوئی شئے کی تصدیق کا علم بھی حاصل ہو جائے۔ اس کی معروف اور عام فہم مثال یہ دی جاتی ہے۔ ایک شخص کو حیوان کا علم بھی حاصل ہے اور ناطق کا علم بھی رکھتا ہے۔ جب یہ اپنے ان دونوں علموں کو ملاتا ہے تو ایک تصوّر اُس کے ذہن پر اُبھرتا ہے اور وہ انسان کا تصوّر ہے یوں انسان جو ان تصوّروں میں یعنی حیوان اور ناطق میں نامعلوم تھا، معلوم ہو گیا۔ ان دونوں تصوّرات سے نامعلوم سے معلوم حاصل ہوا ان کو تعریف اور مُعرّف کہتے ہیں۔

تصوّر کے بعد تصدیق کا معاملہ آتا ہے۔ تصدیقوں کا معاملہ بھی دو یا زیادہ

Marfat.com

تصدیقوں کے ملانے سے آگے بڑھتا ہے۔ یہاں بھی نامعلوم سے معلوم حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً یہ معلوم ہے کہ انسان جاندار ہے اور یہ بھی کہ جاندار جسم والا ہوتا ہے۔ ان دو تصدیقوں کو ملانے سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان جسم والا ہوتا ہے اور ان دو تصدیقوں کو دلیل اور حجۃ کہتے ہیں۔

ہم یہاں اُردو میں مستعمل منطقی اصطلاحوں کو بغیر تعریف کے بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ ہمارا مقصد منطق بیان کرنا یا سکھانا نہیں ہے بلکہ منطق کا بطور علم تعارف کرانا ہے جو آگے چل کر فلسفہ کی بنیاد بنتا ہے۔ یہ اصطلاحیں اُردو، عربی، فارسی اور ہندی تاثر رکھتی ہیں کیوں کہ اُردو زبان کا زیادہ تر ماخذ یہی تین زبانیں ہیں۔ مجھے اس پیغام و تاثر کو بیان کرنا ہے کہ علم انسانی کی یہ اصطلاحیں قرآن و حدیث سے بھی اخذ و استخراج علم کے لئے اُسی طرح استعمال ہوتی ہے جیسے کسی بھی اور ماخذ کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ اخذ و استخراج کا مسلم ادب میں یہ طریقہ نیا نہیں ہے یہ اور بات ہے مسلمانوں نے عقل سے کنارہ کشی کر کے مردہ رسوم کے حوالے کر دیا ہے۔ ورنہ اس علم کی آبیاری میں مسلمانوں کا حصہ بھی بہت گہرا اور پُراثر رہا ہے۔

اصطلاحیں (Terminalogies)

یہ تصورات کی بحث میں استعمال ہونے والی اصطلاحیں ہیں:۔

(۱)۔علم، (۲)۔تصوّر، (۳)۔تصدیق، (۴) تصورِ بدیہی، (۵)۔تصورِ نظری، (۶)۔تصدیق بدیہی، (۷)۔تصدیق نظری، (۸)۔نظر و فکر، (۹)۔منطق، (۱۰)۔موضوع منطق، (۱۱)۔غرض منطق، (۱۲)۔دلالۃ، (۱۳)۔دال، (۱۴)۔مدلول، (۱۵)۔وضع، (۱۶)۔موضوع لہٗ، (۱۷)۔دلالت لفظیہ، (۱۸)۔دلالت غیر لفظیہ، (۱۹)۔دلالت لفظیہ وصیعہ، (۲۰)۔دلالت لفظیہ طبعیہ، (۲۱)۔دلالت لفظیہ عقلیہ، (۲۲)۔دلالت غیر وضعیہ، (۲۳) دلالت غیر لفظیہ طبعیہ، (۲۴) دلالت غیر لفظیہ عقلیہ، (۲۵) دلالت مطابقۃ، (۲۶)۔ دلالت تضمنیہ، (۲۷) دلالت التزامیہ، (۲۸)۔ لازم، (۲۹)۔ مفرد، (۳۰)۔مرکب، (۳۱) مفہوم،

Marfat.com

(۳۲)۔کلی، (۳۳)۔ جزئی، (۳۴)۔حقیقت و ماہیت، (۳۵)۔کلی ذاتی، (۳۶)۔کلی عرضی، (۳۷)۔جنس، (۳۸)۔نوع، (۳۹)۔فصل، (۴۰)۔خاصہ، (۴۱)۔عرض عام، (۴۲)۔جنس قریب، (۴۳)۔جنس بعید، (۴۴)۔فصل قریب، (۴۵)۔فصل بعید، (۴۶)۔تساوی، (۴۷)۔تباین، (۴۸)۔عموم وخصوص مطلق، (۴۹)۔عموم وخصوص من وجہ، (۵۰)۔معرف و قول، (۵۱)۔شارح حد تام، (۵۲)۔حدِ ناقص، (۵۳)۔رسم تام، (۵۴)۔رسم ناقص

قضایا کی بحث میں بھی مخصوص اصطلاحیں ہیں:

(۱)۔حجت، (۲)۔ قضیہ، (۳)۔ حملیہ، (۴)۔شرطیہ، (۵)۔موجبہ، (۶)۔ سالبہ، (۷)۔ موضوع، (۸)۔محمول، (۹)۔ مخصوصہ، (۱۰)۔طبعیہ، (۱۱)۔محصورہ، (۱۲)۔مہملہ، (۱۳)۔ موجبہ کلیہ، (۱۴)۔موجبہ جزئیہ، (۱۵)۔سالبہ کلیہ، (۱۶)۔سالبہ جزئیہ، (۱۷)۔محصورات اربعہ، (۱۸)۔متصلہ، (۱۹)۔منفصلہ، (۲۰)۔متصلہ موجبہ، (۲۱)۔متصلہ سالبہ، (۲۲)۔منفصلہ موجبہ، (۲۳)۔منفصلہ سالبہ، (۲۴)۔مقدم، (۲۵)۔تالی، (۲۶)۔اللزومیہ، (۲۷)۔اتفاقیہ، (۲۸)۔عنادیہ (۲۹)۔منفصلہ اتفاقیہ، (۳۰)۔منفصلہ حقیقیہ، (۳۱)۔مانعۃ الجمع، (۳۲)۔مانعۃ الخلو، (۳۳)۔ تناقص، (۳۴)۔ نقیض، (۳۵)۔نقیضین، (۳۶)۔وحدات ثمانیہ، (۳۷)۔عکس مستوی

اس کے علاوہ قیاس اور برہان کی اصطلاحیں ہیں:

(۱)۔قیاس، (۲)۔ اقترانی، (۳)۔ استثنائی، (۴)۔اصغر، (۵)۔اکبر، (۶)۔مقدمہ، (۷)۔صغریٰ، (۸)۔کبریٰ، (۹)۔حداوسط، (۱۰)۔شکل اوّل، (۱۱)۔شکل ثانی، (۱۲)۔شکل ثالث، (۱۳)۔شکل رابع، (۱۴)۔استقراء، (۱۵)۔تمثیل، (۱۶)۔دلیل لمیّ، (۱۷)۔دلیل انّی، (۱۸)۔برہان، (۱۹)۔اولیات، (۲۰)۔فطریات، (۲۱)۔حدسیات، (۲۲)۔مشاہدات، (۲۳)۔تجربیات، (۲۴)۔متواترات، (۲۵)۔قیاس جدلی، (۲۶)۔قیاس خطابی، (۲۷)۔قیاس شعری، (۲۸)۔قیاس سفسطی

Marfat.com

حرفِ آخر:

حصہ اوّل دراصل میرے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات ہیں جن میں بنیادی سوال بلکہ اس پوری تحریر کا سوال بھی ٹھہرتا ہے۔ کہ قرآن مجید اور آپ ﷺ نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب کا مقام دیا۔ انسان کا دوسرے جانداروں سے امتیاز عقل و وجدان ہے۔ انسان کا آلہ امتیاز عقل ہے۔ عقلی علوم کی تنظیم کو فلسفہ کا نام دیا گیا۔ اسلامی ادب میں فلسفہ کی موجودگی اور پڑھانے کے باوجود اسے علم دشمن یا دین دشمن قرار دیا جاتا ہے یوں ہم نے دین کو پنجرہ بنا کر انسان کو اُس کے اندر بند کر دیا ہے اور اس کی سوچ و عقل پر پابندی لگا دی۔ سیاسی مقاصد کی آبیاری کے لئے اسی پنجرے میں بند لوگوں کو علماء و حکماء کا نعم البدل قرار دے دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ عالم پیدا ہوا نہ صوفی اور نہ حکیم۔ یوں مسلم معاشرت کی عمر تمام ہوئی اور ہم دوسروں کی فکر پر نگاہ رکھ بیٹھے ہیں۔

اسی سوال کو تین جہتوں سے بیان کرنے کی کوشش ہے۔ نئی نسل کو تدبر کی طرف راغب کرنے کی سعی کی ہے۔ علم، آخر علم ہے، علم کافر نہیں ہوتا، علم اپنا یا دشمنوں کا نہیں ہوتا، سب کا ہوتا ہے۔ دشمن بھی علم کو اچھا استعمال کرے گا تو کامیاب ہوگا۔ وارثانِ قرآن مجید علم کو تسلیم نہ کریں گے تو ناکام ہوں گے۔ یہی ہمارے ساتھ ہوا ہے۔

حصہ اوّل و دوم میں اسلام اور انسانی دانش کے تعلق کی وضاحت ہے اور حصہ سوم میں محض دانش انسانی کو بیان کیا گیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

Marfat.com